

حضرت غفران مآب و سلطان العلماء و ممتاز العلماء

آیۃ اللہ العظمیٰ سید العلماء مولانا سید علی نقی نقوی طاب ثراہ

مجدد ملت جعفریہ آیۃ اللہ العظمیٰ حضرت
غفرانمآب مولانا سید دلدار علی صاحب
طاب ثراہ
نام و نسب

مولانا سید علی معروف بہ دلدار علی ابن سید محمد معین ابن سید
عبد الہادی نصیر آبادی سادات نقوی میں طاہر ابن جعفر تو اب
ابن حضرت امام علی نقی علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے۔

آپ کے ایک مورث اعلیٰ سید نجم الدین سبزواری سے
سالار مسعود غازی کی نصرت کے لئے ایک فوج کے سردار کی
حیثیت سے ہندوستان تشریف لائے اور ضلع رائے بریلی میں
قصبہ ودیا نگر کو فتح کر کے اسکا نام جائے عیش رکھا جو کثرت
استعمال سے جائس مشہور ہو گیا پھر آپ ہی کی اولاد میں سے سید
زکریا نے قلعہ پٹاک پور کو مسخر کر کے اسکا نام اپنے بزرگ سید نصیر
الدین کے نام پر نصیر آباد رکھا۔

ولادت، نشو و نما اور طالب علمی

اسی نصیر آباد میں ۱۱۶۶ھ میں ایک شب جمعہ کو جناب
دلدار علی صاحب کی ولادت اور پھر وہیں نشو و نما اور ابتدائی تعلیم
ہوئی ذوق علم قدرت کی طرف سے بچپن ہی میں بچپن کئے
ہوئے تھا اور اس تشنگی کو دور کرنے کے لئے وطن کی سرزمین بے
آب نظر آتی تھی، اسی لئے مسافرت اختیار کی اور اس وقت کہ
جب ذرائع آمد و رفت دشوار تھے، ہندوستان کے مختلف شہروں
کا سفر کر کے سندیلہ میں شارح سلم ملاحمد اللہ کے صاحبزادے
ملا حیدر علی سے، الہ آباد میں سید غلام حسین دکنی سے، رائے

بریلی میں مولوی باب اللہ شاگرد ملاحمد اللہ سے صرف و نجومعانی و
بیان وغیرہ اور علوم عقلیہ منطق و فلسفہ و ریاضی کی تکمیل کی، پھر
فیض آباد تشریف لے گئے اور وہاں بحر العلوم مولوی عبدالعلی
صاحب سہالوی سے بعض مسائل عقلیہ پر مباحثہ ہوا۔ وہاں
سے لکھنؤ تشریف لائے۔ یہاں اس وقت نواب آصف الدولہ
مرحوم کی حکومت تھی اور نواب سرفراز الدولہ مرزا حسن رضا
خاں کا اقتدار تھا۔ انہیں احساس ہوا کہ ہندوستان میں اب تک
کوئی شیعہ عالم ایسا نہیں ہوا جو درجہ اجتہاد پر فائز ہو۔ اس
طرح خداوند عالم نے ان کو جناب غفرانمآب کی اتنی امداد کی
توفیق عطا فرمائی کہ آپ تکمیل علم کے لئے عتبات عالیات کی
طرف روانہ ہوئے۔

تکمیل علم اور مراجعت

پہلے عراق پہنچے اور کربلائے معلیٰ میں صاحب ریاض آقا
سید علی طباطبائی اور آقا سید مہدی موسوی شہرستانی نیز خود ان
بزرگوں کے استاد، استاد اکبر آغا باقر بیہانی سے اور نجف اشرف
میں بحر العلوم آقا سید مہدی طباطبائی سے فقہ اور اصول اور علم
حدیث کی تکمیل کی۔ اس کے بعد ۱۱۹۴ھ میں مشہد مقدس
(ایران) کی طرف رخ کیا اور جناب سید محمد مہدی ابن سید
ہدایت اللہ اصفہانی سے اکتساب علوم کیا اور بعد تکمیل ہندوستان
مراجعت فرما ہوئے اور مرزا حسن رضا خاں کی خواہش سے لکھنؤ
میں قیام فرمایا اور سلسلہ تصنیف و تدریس و تبلیغ شروع کیا چند ہی
سال کے اندر چند کتابیں تصنیف کر کے عراق بھیجیں اور مذکورہ بالا
اساتذہ نے اجازات روانہ فرمائے۔

ماحول اور دینی خدمات

اس وقت ہندوستان میں فرقہ شیعہ کے افراد بڑے دور جہالت سے گزر رہے تھے۔ اقلیت میں ہونے کے ساتھ کوئی علمی و دینی سرچشمہ قریب نہ ہونے کی وجہ سے دوسری جماعتوں کے رسوم کو اختیار کئے ہوئے تھے۔ احمد کبیر کی گائے شیخ سد و کا بکرا، میران جی کے گلگلے اور بھوانی جی کی منتیں ایسے رسوم شیعوں میں رائج تھے۔ جناب غفرانمآب نے ایک طرف موعظہ و نصیحت سے داخلی اصلاح فرمائی اور ان سب رسوم کا قلع قمع کیا اور دوسری طرف دوسرے فرقوں کے علماء کا مقابلہ کیا۔ اس وقت ایک محاذ شیعیت کے خلاف اہلسنت کا تھا اور دوسری طرف صحیح تعلیمات شریعت کے خلاف اخباریت کا تھا۔ تیسرا بے مغز صوفیت کا جس کے نتیجے میں پیری مریدی کا زور تھا اور احکام شرعیہ سے قطعی بے پروائی برتی جاتی تھی۔ جناب غفرانمآب نے تنہا ان تمام محاذوں پر مقابلہ کیا۔

اہلسنت کے محاذ کی قوت اس سے ظاہر ہے کہ شاہ عبدالعزیز دہلوی نے تحفہ اثنا عشریہ اسی دور میں لکھی جس پر ڈیڑھ سو برس گزرنے کے بعد آج تک اہلسنت کی جانب سے مناظرہ کا دار و مدار ہے۔ تحفہ کے مختلف ابواب کے جواب میں خود جناب غفرانمآب نے قلم اٹھایا اور پانچ کتابیں پانچ بابوں کے جواب میں لکھیں صوارم الالہیات باب الہیات کے جواب میں حسام الاسلام باب نبوت کے جواب میں خاتمہ صوارم اثبات امامت میں احیاء السنۃ بحث معاد و رجعت اور ذو الفقار باب دوازہم کی رد میں اس کے علاوہ رسالہ غیبت بھی شاہ عبدالعزیز دہلوی ہی کی رد میں ہے۔ نیز کچھ ابواب کا جواب اپنے تلامذہ سے لکھوایا جیسے جناب مفتی محمد قلی صاحب نیشا پوری کٹھوری جنہوں نے دو بابوں کے جواب میں تَقْلِیْبِ الْمَکَائِدِ اور تَشْهِيْدِ الْمَطَاعِيْنِ دو کتابیں لکھیں۔ دوسرا محاذ یعنی اخباریت کا بھی بڑا زور تھا جس کے بڑے سرگروہ اکبر آباد (آگرہ) کے باشندے مرزا محمد بن عبدالصانع نیشا پوری

تھے جو عراق میں جا کر مقیم ہو گئے تھے اور آخر میں مجتہدین کے خلاف ناقابل برداشت سخت کلامیوں کے نتیجے میں کسی نے جوش اشتعال میں آکر انہیں قتل کر دیا اور اسی طرح مرزا محمد مقتول مشہور ہوئے۔ ان کے اثرات اس وقت ہندوستان میں بہت زیادہ تھے۔ اخباریوں کی مایہ ناز کتاب اس وقت فاضل استر آبادی ملا محمد امین کی فوائد مدنیہ تھی۔ چنانچہ جناب غفرانمآب نے اسی کتاب پر قلم اٹھایا اور اساس الاصول اس کی رد میں لکھی۔

یہ اخباریین پر بڑی شدید ضرب تھی۔ چنانچہ مرزا محمد اکبر آبادی نے اس کی رد معادل العقول کے نام سے لکھی۔ جناب غفرانمآب نے اپنے بعض شاگردوں کی طرف سے اس کا جواب مطارق کے نام سے تحریر فرمایا اور آخر غفرانمآب کے مساعی سے اخباریت کا چراغ ہندوستان سے ہمیشہ کے لئے گل ہو گیا۔

صوفیت کے مقابلہ میں جناب غفرانمآب نے 'شہاب ثاقب' کتاب لکھی جس میں صوفیاء کے اصلی خط و خال کو بالکل بے نقاب کر کے پیش کر دیا گیا ہے۔ موعظہ اور تبلیغات کے ذریعہ اس میں جو حیرت انگیز کامیابی حاصل ہوئی ہے اس کا آنکھوں سے مشاہدہ ہو رہا ہے کہ سواندھ اور پنجاب کے دور دراز مقامات کے جہاں آواز پوری طرح پہنچ نہ سکتی تھی یوپی اور اس کے قریب کے تمام علاقوں میں شیعوں کے اندر پیری و مریدی خافقا ہوں اور اولیاء کے مزارات کا نام و نشان تک نہیں ہے۔ ان تینوں محاذوں پر مدافعانہ مجاہدات کے علاوہ شیعوں کی ذہنی مذہبی تربیت کے لئے ایک طرف موعظہ کا سلسلہ قائم فرمایا۔ دوسری طرف عزائے امام حسینؑ کی ترویج و اشاعت میں پورا انہماک صرف کیا۔ چنانچہ اس سلسلہ میں دو کتابیں بھی تحریر فرمائیں۔ ایک کتاب اِنْفَاذُ الْاَحْزَانِ عَلٰی الْقَتْلِ الْعَظِشَانِ اور دوسرے مَسْكِنُ الْقُلُوْبِ عِنْدَ فَقْدِ الْمَخْبُوْبِ اور تعمیری شکل میں ایک عزائے لکھنؤ میں تعمیر کرایا جو حسینؑ غفرانمآب کے نام سے دنیاۓ شیعیت میں مشہور ہے اور دوسرا حسینؑ اپنے وطن نصیر آباد میں بنوایا جس کے آثار شکستہ اس وقت تک موجود ہیں۔

اس کے علاوہ آصف الدولہ کا امباڑہ بھی اسی دور کی یادگار ہے۔ ان تمام خدمات میں سے ہر ایک میں جتنا کام غفرانمآبؒ نے بذات خود کیا ہے، وہ کسی ایک شخص کی پوری زندگی کا کارنامہ بن سکتا تھا چہ جائیکہ ان تمام خدمات کو مجموعی حیثیت سے بوقت واحد انجام دینا، یہ بغیر مخصوص تائید و توفیق الہی کے خیال میں نہیں آسکتا۔ پھر مستقل علمی خدمات اور مختلف فنون میں تصانیف یہاں تک کہ فلسفہ میں شرح ہدایۃ الحکمۃ ملا صدر اکا حاشیہ اور منطق میں حمد اللہ کا حاشیہ یہ پوری زندگی کے کارنامے وہ ہیں جن کا مثل و نظیر غفرانمآبؒ کے بعد آپ کے اخلاف و تلامذہ اور بعد کے طبقات میں بھی نہیں ملتا، جب کہ اب حالات اطمینان بخش ہو چکے تھے اور ایک ماحول تیار ہو گیا تھا اور یوں کہنا چاہئے کہ ان تمام شعبوں میں بنیادیں قائم ہو کر تھوڑی دیواریں بھی تعمیر ہو گئی تھیں، صرف انہیں اونچا کرنا تھا پھر بھی غفرانمآبؒ کی سی ہمہ گیری کسی شخصیت میں نظر نہیں آتی۔

مذکورہ تمام امور کے علاوہ پھر طلاب کی تدریس و تربیت جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہندوستان میں جہاں کہیں بھی علم ہے اس کی انتہا غفرانمآبؒ طاب ثراہ تک ضرور ہوتی ہے جس کے تفصیلی تذکرہ کی اس مقام پر گنجائش نہیں ہے۔

تصانیف:

جناب غفرانمآبؒ کے تصانیف پر اگر نظر ڈالی جائے تو وہ اتنی مقدار میں ہیں جس سے خیال ہو سکتا ہے کہ ان کا مشغلہ سوائے تصانیف کے کچھ تھا ہی نہیں۔

ان کی فہرست درج ذیل ہے:

(۱) عماد الاسلام: جس کا اصلی نام مرآۃ العقول ہے یہ کتاب علم کلام میں اتنی بسیط و ضخیم ہے جس کے مثل دنیائے تشیع کیا پورے عالم اسلامی میں بھی موجود نہیں ہے۔ شیعوں میں تو علم کلام کی کتابوں میں اس کے پہلے محقق طوسیؒ کی تجرید تھی جسے صرف ایک رسالہ سمجھنا چاہئے اور پھر علامہ حلّیؒ کی شرح تجرید یہ بھی تین چار صفحات کی بس ایک جلد ہے۔ اہلسنت میں علم کلام

کی اہم کتابیں شرح مقاصد اور شرح مواقف ہیں ان میں سے ہر ایک زیادہ سے زیادہ چھ سات سو صفحات کی کتاب ہے، لیکن سب سے پہلی اور آخری کتاب عماد الاسلام ہے جس کی پانچ جلدیں ہیں جن میں سے توحید بڑے سائز کے تقریباً چار سو صفحات کی، عدل و دو صفحات کی، نبوت تین سو صفحات کی اور امامت تقریباً چھ سو صفحات کی اور معاد پانچ سو صفحات کی ہے۔ اس طرح مجموعاً تقریباً یہ بیس بائیس سو صفحات کی کتاب ہے جس کے مقابل نہ اس کے پہلے کوئی کتاب لکھی گئی تھی اور نہ اس کے بعد لکھی گئی ہے۔ پھر یہ کسی ایسی کتاب کی جلدیں نہیں ہیں جس میں صرف منقولات ہوں اور مؤلف کا کام بس دوسری کتابوں کی عبارتوں کا نقل کرنا ہو، بلکہ یہاں عقلی مباحث ہیں جن میں محنت ہی نہیں قابلیت بھی درکار ہے اور دماغ سوزی کی ضرورت ہے۔ اگر غفرانمآبؒ نے عمر بھر میں یہی ایک کتاب لکھی ہوتی تو ان کے دیگر مشاغل کو دیکھتے ہوئے یہ خارق عادت امر تھا، چہ جائیکہ ان کے مصنفات میں سے صرف ایک ہے۔ اس کی تین جلدیں ہیں توحید، عدل اور نبوت مطبوعہ عماد الاسلام میں، جو جناب قدوة العلماء طاب ثراہ نے قائم کیا تھا، طبع ہوئیں مگر امامت اور معاد کی جلدیں اب تک منظر عام پر نہ آسکیں۔

(۲) شہاب ثاقب:- یہ تقریباً چار سو صفحات کی کتاب صوفیا کی رد میں ہے جس میں ان کے اقوال و اعمال پر شدید ناقدانہ نظر اور ان کے کفریات و مخرقات پر بہت تیز روشنی ڈالی گئی ہے۔ افسوس ہے کہ یہ کتاب طبع نہیں ہوئی۔

(۳) ذوالفقار:- یہ شاہ عبدالعزیز کی کتاب تحفۃ اثنا عشریہ کے بارہویں باب کی رد ہے جو تقریباً تین سو صفحات کی ہے اور مطبع مجمع البحرین لدھیانہ میں جسے ارسطو جاہ رجب علی خاں اعلی اللہ مقامہ نے قائم کیا تھا طبع ہوئی۔

(۴) صَوَارِمْ الْإِلَهِيَّاتِ:- یہ تحفۃ اثنا عشریہ کے باب الہیات کی رد میں ہے۔

(۵) حسام الإسلام:- یہ تحفہ کے باب نبوت کا جواب

ہے۔

(۶) خاتمہ کتاب صوارم:- یہ اثبات امامت میں ایک عمدہ رسالہ ہے۔

(۷) احیاء السنۃ:- یہ تحفہ کے محث معاد و رجعت کی رد ہے۔

(۸) رسالۃ غیبت:- یہ بھی شاہ عبدالعزیز دہلوی کے اقوال کی رد میں ہے اور شاہی مطبع لکھنؤ میں طبع ہوا تھا۔

(۹) اساس الاصول:- یہ اخباریین کی مایہ ناز کتاب ’فوائد مدنیہ‘ مصنفہ محمد امین استرآبادی کی رد میں ہے جو لکھنؤ کے شاہی مطبع میں طبع ہوئی تھی۔

(۱۰) مواعظ حسینیہ:- یہ لکھنؤ میں قیام جمعہ و جماعت کے بعد جو مواعظ ارشاد فرمائے گئے تھے ان کا مجموعہ ہے۔

(۱۱) شرح حدیقة المتقین:- مصنفہ مولانا محمد تقی مجلسی کتاب الصوم، یہ اصل کتاب بھی فارسی میں تھی اور اس کی شرح بھی فارسی میں ہے جو اس وقت کی عام فہم زبان سمجھی جاتی تھی۔

(۱۲) شرح حدیقة المتقین:- کتاب الزکوٰۃ

(۱۳) رسالہ دربارۃ نماز جمعہ:- یہ عراق سے واپسی

اور لکھنؤ میں قیام کے ابتدائی دور میں غالباً اس وقت تحریر فرمایا تھا جب لکھنؤ میں نیا نماز جمعہ و جماعت کا دور دورہ ہوا ہے اور ابھی عامہ مؤمنین کو پوری طور پر نماز جمعہ کی اہمیت کا احساس نہ تھا تو اس وقت یہ رسالہ تحریر فرمایا گیا۔

(۱۴) حاشیہ صدر:- یہ فلسفہ کی مشہور کتاب شرح

هدایۃ الحکمة مصنفہ صدر المتالین شیرازی کا حاشیہ ہے جس کی مدح و ثنا جناب سید محمد مرتضیٰ صاحب فلسفی نونہروی نے معراج العقول میں اپنے استاد مولوی عبدالحی صاحب فرنگی محلی کی زبانی نقل کی ہے۔

(۱۵) رسالہ مشنۃ بالتکویر:- یہ بحث صدر کی بہت

مشہور ہے اس رسالہ میں اس کی تشریح کی گئی ہے۔

(۱۶) منتهی الافکار:- اصول فقہ میں معالم کو ایک مفرد

مسلم حیثیت حاصل تھی، سب سے پہلے صاحب قوانین نے معالم کے بہت سے نظریات سے اختلاف کیا اور کچھ جدید نظریات اختیار کئے۔ جناب غفرانمآب اور صاحب قوانین ایک ہی استاد کے شاگرد تھے۔ آپ نے قوانین کے مضامین کا علمی جائزہ لینے کے لئے کتاب تحریر فرمائی۔ یہ کتاب انجمن یادگار علماء کی جانب سے جسے عم معظم علامہ ہندی اعلیٰ اللہ مقامہ نے قائم فرمایا تھا تصویر عالم پریس لکھنؤ میں چھپ کر شائع ہوئی۔

(۱۷) إقارۃ الأخزان علی القتل العطشان:- یہ کتاب عربی میں حالات سید الشہداء میں ہے جس میں کتب معتبرہ سے روایات واقعات بلا کو درج فرمایا ہے۔

(۱۸) مسکن القلوب عند فقد المخبوب:- آپ کے نہایت عزیز فرزند مولانا سید مہدی نے ۱۲۳۱ھ میں رحلت فرمائی۔ ان کے انتقال سے جناب غفرانمآب کو شدید صدمہ ہوا۔ انہیں تاثرات میں یہ کتاب تحریر فرمائی جو شہید ثانی کی کتاب مسکن القلوب عند فقد الأخیة والأولاد کے رنگ میں ہے اس میں حالات حضرت سید الشہداءؑ بھی خاص انداز میں درج کئے ہیں۔

(۱۹) اجازۃ جناب سلطان العلماء طاب ثراہ:- یہ وہ اجازہ ہے جو آپ نے فرزند اکبر کے لئے تحریر فرمایا تھا۔ اس میں روایت و درایت کے بہت سے مباحث کے علاوہ اپنے اساتذہ کے مختصر حالات بھی تحریر فرمائے ہیں نیز آخر میں بڑے بیش قیمت وصایا ہیں۔

(۲۰) رسالہ در جواب سوالات محمد سمیع صوفی۔

(۲۱) رسالۃ ارضیین عربی:- اس میں مختلف طرح کی زمینوں کے شرعی احکام استدلالی طور پر تحریر فرمائے ہیں۔

(۲۲) رسالۃ ذہبیہ:- سونے اور چاندی کے برتنوں

کے احکام میں۔

(۲۳) رسالہ رد نصاری۔

(۲۴) مطارق: یہ اساس الاصول کے جواب میں مرزا محمد اکبر آبادی مقتول کی کتاب معادل العقول کا جواب ہے جو بعض تلامذہ کے نام سے لکھا گیا تھا۔

(۲۵) رسالہ در ادعیه کفن۔

تلامذہ:

تصانیف کے اس عظیم الشان ذخیرہ کے بعد جناب غفرانمآبؒ کے شاگردوں کی فہرست اور ان شاگردوں کے مقامات عالیہ اور علمی جلالت پر نظر پڑتی ہے تو پھر سوا حیرت کے کوئی چارہ کار نہیں رہتا۔

یہ شاگرد بھی ایسے ہیں کہ ان میں بس صرف کوئی ایک فرد ہوتی تو وہ اپنے استاد کا کارنامہ قرار پاسکتی تھی، چہ جائیکہ اتنی باکمال فردیں بوقتِ واحد کسی استاد کے شاہکاروں میں داخل ہوں۔ پھر وہ موجودہ زمانہ نہیں تھا کہ کسی بڑے استاد کے منتہی شاگرد ابتدائی تعلیم کسی اسکول میں حاصل کئے ہوتے ہیں۔ پھر کسی کالج میں داخل ہو کر مختلف درجوں کی تعلیم الگ الگ استادوں سے حاصل کرتے ہیں۔ معانی، بیان میں کسی سے اور منطق میں کسی سے اور ادب میں کسی سے استفادہ کرتے اور پھر آخر میں جا کر دو ایک سال اس بڑے استاد سے پڑھ لیتے ہیں اور پھر شرف و امتیاز کی خاطر اسی بڑے استاد کے شاگرد کی حیثیت سے دنیا میں اپنا تعارف کراتے ہیں، خصوصاً ہمارے مدارس کے فارغ التحصیل اور سند یافتہ حضرات اپنی استعداد علمی مختلف مدرسین و علماء کے گھروں پر جا جا کر ان سے پڑھ کر درست کرتے ہیں مگر چونکہ سند یافتہ وہ اس مدرسہ کے ہوتے ہیں لہذا وہ محسوب ہوتے ہیں اس مدرسہ کے پرنسپل صاحب قبلہ کے تلامذہ میں۔ اس دور میں جب جناب غفرانمآبؒ لکھنؤ میں تشریف لائے ہیں علمی مدارس نہیں تھے، دینی کالج نہیں تھے۔ بہت سے اساتذہ و علماء نہیں تھے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ جناب غفرانمآبؒ اپنے بیٹوں اور شاگردوں کے لئے ایک اکیلے پورا مدرسہ تھے۔ پھر جب ان صاحبزادوں اور شاگردوں کی مختلف فنون میں خصوصی مہارت کو

دیکھا جاتا ہے جو موجودہ دور کے اسپیٹ والے نظام کے مطابق ہے یعنی ایک طرف جناب سلطان العلماء بڑے قبلہ و کعبہ اور مفتی محمد فقی صاحب ہیں جو علم کلام کے ماہر خصوصی ہیں۔ ایک جانب سبحان علی خاں مصنف و چیزہ ہیں جو مناظرہ میں دستگاہ خاص کے مالک ہیں۔ ایک سمت جناب سید العلماء علیہین مکاں اور علامۃ العلماء سید احمد علی صاحب محمد آبادی ہیں جو فقہ و اصول کے یگانہ روزگار ہیں اور ایک رخ پر میر علی بخش صاحب کنھوری ہیں جو ادب میں فرد فرید ہیں۔ پھر ایک طرف مولانا سید علی صاحب اور مولوی یاد علی نصیر آبادی مفسر قرآن ہیں۔

اور ایک جانب سید نظام الدین حسین صاحب بیست و ریاضی اور معقولات کے استاد کامل ہیں اور مرزا زین الدین احمد خاں ادب اور عروض و قوافی کے ممتاز ماہر ہیں، تو یہ کہنا بالکل درست معلوم ہوتا ہے کہ غفرانمآبؒ بذات خود ایک مدرسہ نہیں بلکہ عربی زبان اور دینی علوم کی ایک پوری یونیورسٹی تھے جس کا ہر شاگرد پھر خود اپنے شعبہ میں تعلیم کا ایک مدرسہ اور تصنیف کا ایک ادارہ بن گیا۔

ذیل میں ان کے چند شاگردوں کے نام مختصر تعارف کے ساتھ درج کئے جاتے ہیں۔

(۱) سلطان العلماء مولانا سید محمد رضواں مآبؒ جناب غفرانمآبؒ کے بڑے صاحبزادے، آپ اپنے والد بزرگوار کی علمی تربیت کا نمایاں موقع تھے اور جناب غفرانمآبؒ کے بعد وہ ریاستِ علمیہ کے سچے معنی میں تاجدار ہوئے۔ (۲) مولانا سید علی صاحب: غفرانمآبؒ کے دوسرے بیٹے تھے سب سے پہلے اردو زبان میں مذہبی علوم کے منتقل کرنے کا آپ کو خیال پیدا ہوا اور مکمل تفسیر قرآن دو جلدوں میں تحریر فرمائی۔ یہ اردو زبان میں دُنیاۓ شیعیت کی سب سے پہلی تفسیر ہے۔ (۳) مولانا سید حسن: جناب غفرانمآبؒ کے تیسرے بیٹے اردو زبان میں علم کلام کی سب سے پہلی کتاب باقیات الصالحات کے مصنف (۴) چوتھے بیٹے مولانا سید مہدی غفوان شہاب میں باپ کی

زندگی میں انتقال کیا۔ معقول و منقول میں بلند پایہ رکھتے تھے۔ (۵) جناب سید العلماء سید حسین علیین مکان: اپنے وقت کے اعلیٰ دنیا تھے (۶) محقق کامل مرزا کاظم علی صاحب: جناب غفرانمآب کے قدمائے تلامذہ میں سے تھے۔ مولانا احمد علی صاحب محمد آبادی نے اپنی کتاب سفر السعادة میں اپنے حالات میں ان کا ذکر کیا ہے اور یہ کہ طالب علمی میں جب وہ لکھنؤ آئے تو پہلے غفرانمآب کے شاگرد رشید مرزا کاظم علی صاحب سے ملے اور کچھ عرصہ تک ان سے تعلیم حاصل کی۔ پھر انہیں کے ذریعہ سے جناب غفرانمآب تک پہنچے اور ان کے شاگرد ہوئے۔ (۷) مرزا محمد خلیل: جناب غفرانمآب کے بڑے عزیز شاگرد تھے۔ ان کے انتقال پر اپنے تاثرات کا اظہار غفرانمآب نے عماد الاسلام کے دیباچہ میں کیا ہے (۸) علامۃ العلماء حاج سید احمد علی محمد آبادی: معقولات و منقولات میں بہت بلند پایہ تھے۔ عربی اشعار بھی نظم فرماتے تھے جو جناب مفتی میر محمد عباس صاحب کی ’ظل ممدود‘ میں درج ہیں۔ نیز عربی نثر بھی ادبی رنگ میں تحریر فرماتے تھے۔ آپ نے اپنا سفرنامہ حج و زیارات ’سفر السعادة‘ کے نام سے لکھا ہے جس میں اپنے اور نیز اپنے استاد جناب غفرانمآب اور استاد زادوں کے مختصر حالات بھی درج فرمائے ہیں۔ یہ جناب مولوی علی میاں صاحب کمال کے والد بزرگوار تھے (۹) مفتی محمد قلی صاحب موسوی نیشاپوری کٹھوری: جناب مولانا حامد حسین صاحب مصنف عبقات الانوار کے والد بزرگوار اور جناب ناصر الملتہ کے جد امجد تھے۔ علم کلام میں خاص پایہ رکھتے تھے۔ تحفہ کے متعدد ابواب کی رد میں ’تَشْبِيهُ الْمَطَاعِينَ‘ ’تَقْلِيْبُ الْمَكَايِدِ‘ اور ’سَيْفِ نَاصِرِي‘ وغیرہ آپ کی کتابیں خاص اہمیت رکھتی ہیں۔ (۱۰) سبحان علی خاں صاحب: آپ الہ آباد کے کبوتر خاندان کے مورث اعلیٰ تھے۔ حکومت اودھ میں وزیر کے درجہ پر بھی تھے۔ فن کلام و مناظرہ کی تکمیل جناب غفرانمآب صاحب سے کی تھی آپ کی کتاب ’وجیزہ‘ رد المسئلت میں بہت بلند پایہ ہے (۱۱) مرزا فخر

لہ دین احمد خاں معروف بمرزا جعفر صاحب (۱۲) مولوی سید یاد علی صاحب نقوی نصیر آبادی: آپ نے فارسی زبان میں تفسیر تحریر فرمائی جو ہندوستان میں شیعوں کی پہلی فارسی تفسیر ہے (۱۳) میر مرتضیٰ صاحب: مصنف رسالہ ’اسرار الصلاة‘ (۱۴) سید غلام حسین صاحب (۱۵) سید محمد باقر صاحب واعظ (۱۶) سید شاکر علی صاحب (۱۷) سید علی صاحب (۱۸) حاجی سید نظام الدین حسین صاحب (۱۹) مرزا جواد علی صاحب (۲۰) حکیم مرزا علی شریف صاحب محشی کتب کلامیہ و طبیہ و مصنف رسالہ طبیہ (۲۱) سید مرتضیٰ صاحب (۲۲) مرزا محمد رفیع عرف مرزا مغل صاحب غافل (۲۳) مولوی سید بہاؤ الدین صاحب (۲۴) مولوی سید اصغر ابن سید بہاؤ الدین صاحب (۲۵) حکیم مرزا علی صاحب (۲۶) سید حمایت حسین عرف میر علی بخش صاحب کٹھوری: عربی ادب اور شاعری میں یکتائے زمانہ تھے۔ آپ نے اساس الاصول کا اردو ترجمہ کر کے ہماری زبان میں اصول فقہ کا بھی ایک ذخیرہ فراہم کیا (۲۷) مرزا اسماعیل صاحب جوزیارات سے مشرف ہونے کے بعد سے تبلیغ دین کے لئے حیدر آباد تشریف لے گئے (۲۸) مرزا محمد علی صاحب سفر زیارت کے بعد مکہ معظمہ گئے پھر واپس نہیں آئے (۲۹) سید سجاد علی صاحب جائسی آپ نے عماد الاسلام کے مقدمات کا اردو میں ترجمہ کیا (۳۰) مرزا زین الدین احمد خاں عرف مرزا محسن صاحب آپ ادب اور عروض و قوافی کے فن میں کامل تھے (۳۱) مولوی سید اعظم علی صاحب (۳۲) ملا علی نقی قزوینی (۳۳) مولوی سید علی نقی ابن سید بہاؤ الدین صاحب (۳۴) مولوی سید بنیاد علی صاحب (۳۵) میر خدا بخش صاحب مختار آفرین علی خاں (۳۶) مولوی منو علی خاں جو سنی سے شیعہ ہوئے تھے (۳۷) سید امان علی صاحب (۳۸) مولانا سید عبد العلی دیو کھٹوی جو فیض آباد کے خاندان پیش نماز کے مورث اعلیٰ ہیں (۳۹) مولانا سید محمد صاحب ابن سید عبد العلی صاحب مذکور (۴۰) مولوی سید کلب علی صاحب ابن عبد العلی صاحب مذکور

(۴۱) مولوی سید اشرف علی صاحب بگرامی۔ غالباً عربی کتاب
رَوْضُ الْجَنَانِ فِي مَشْتَهَى الْجَنَانِ آپ ہی کی تصنیف ہے۔

مبلغین کا تقرر

آپ نے مختلف اطراف میں ہدایت و تعلیم دین کے لئے
مبلغین کے تقرر کی ابتدا بھی فرمادی تھی۔ چنانچہ مولانا عبدالعلی
صاحب اور ان کے صاحبزادے فیض آباد تشریف لے گئے۔
مرزا اسماعیل صاحب حیدر آباد دکن گئے۔ امر وہہ سے محلہ گزری
کے مولوی سید محمد عبادت صاحب نے لکھنؤ جا کر جناب غفرانمآب
سے امامت جماعت کا اجازہ حاصل کیا اور مسائل شرعیہ کی تعلیم
کے لئے جناب غفرانمآب نے شیخ حرم عالمی کی کتاب بدایۃ الہدایہ
مرحمت فرمائی کہ اختلافی مسائل میں احتیاطی احکام کی مومنین کو
تلقین فرمائیں۔ سجان علی خاں صاحب مرحوم کے خاندان سے
الہ آباد میں خدمات دینیہ کی بنیاد قائم ہوئی۔

وفات

لکھنؤ میں پینتیس برس کامل اس جہاد زندگی میں مصروف
رہ کر تقریباً ستر برس کی عمر میں ۱۹ رجب ۱۲۳۵ھ کو رحلت فرمائی
اور اپنے بنا کردہ امام باڑے کی چٹنی میں دفن ہوئے۔
مولانا سید احمد علی صاحب محمد آبادی نے تاریخ نظم فرمائی
جو درج ذیل ہے:

فقیہ و مجتہد و عالم و مروج دیں
شریف مکہ علم و کمال و فضل و تقا
ضیاء دیدہ دروازہ مدینہ علم
عزیز مصر سیادت، سپہر مجد و علا
نہ دید چشم فلک مثل آں مجدد دیں
کہ شاہد اند بفضل و بزرگیش اعدا
جمال درخور علم و کمال داشت از اں
کہ بد ز روز ازل مہبط فیوض خدا
بآیاری ارشاد آں سحاب فیوض
دمید در گل ناچیز ہندیش گلہا

رسید چوں شب تاسع عشر ماہ رجب
سفر بہ روضہ رضواں نمود از دنیا
دریں مصیبت جاں کاہ شیعیان یکسر
بہ سوز سینہ نمودند ماتمش برپا
چو ایں مصیبت عظمیٰ در اہل دیں روداد
بدل گذشت کہ تاریخ آں کنم انشا
سروش غیب ہماں وقت ناگہاں فرمود
ستون دین بزمیں اوقات و اوہلا
۵ ۴ ۳ ۲ ۱ ۰

جناب رضوان مآب سلطان العلماء آیۃ اللہ
العظمیٰ مولانا السید محمد صاحب قبلہ
طاب ثراہ
نام و نسب

جناب غفرانمآب مولانا سید دلدار علی طاب ثراہ کے سب
سے بڑے بیٹے سید محمد نام اور سلطان العلماء خطاب تھا۔ عوام
میں بڑے قبلہ و کعبہ کے الفاظ سے مشہور تھے اور انتقال کے بعد
جناب رضوان مآب کے لقب سے ملقب ہوئے۔

ولادت

غفرانمآب ۱۹۶ھ میں تحصیل علم کے بعد ہندوستان
واپس ہوئے تو ان کی عمر اس وقت تیس سال کی تھی۔ اس کے پہلے
تحصیل علم میں انہماک کی بنا پر غالباً انہوں نے ازدواجی
ذمہ داریوں میں گرفتار ہونا مناسب نہیں سمجھا تھا۔ اب وہاں سے
مراجعت کے بعد اپنے وطن نصیر آباد کے اشراف میں شادی ہوئی
جس کے بعد آپ نے تبلیغی مصالح کے پیش نظر لکھنؤ میں قیام فرمایا
تو یہاں ۱۷ ماہ صفر ۱۱۹۹ھ کو سب سے پہلے فرزند کی ولادت
ہوئی جس کا ہندوستان کی اس نسل میں رہنمایان دین کی پہلی فرد
سمجھے ہوئے با معرفت باپ نے سلسلہ چہارہ معصومین کی پہلی
فرد حضرت پیغمبر خدا محمد مصطفیٰ کے اسم مقدس سے برکت حاصل
کرنے کے لئے محمد نام رکھا چنانچہ اس کے بعد اپنی اولاد کے نام

بترتیب علی اور حسن رکھتے رہے جس کا اظہار خود جناب غفرانمآبؒ کی زبانی ایک خواب کے ذیل میں ہوا ہے جس کا تذکرہ جناب مفتی میرعباس صاحب اعلیٰ اللہ مقامہ نے اپنی کتاب اوراق الذہب میں جناب سید العلماء سید حسین علیین مکان طاب ثراہ کے حالات میں کیا ہے۔

نشوونما

جناب سلطان العلماء کی نشوونما جناب غفرانمآبؒ کی آغوش تربیت میں اس ماحول میں ہوئی جب کہ ہندوستان میں مذہب جعفری کی اعلانیہ نشوونما کا آغاز اور بدعتوں کا استیصال ہو رہا تھا۔ ۱۱۹۹ھ میں سلطان العلماء پیدا ہوئے اور ۱۲۰۰ھ میں لکھنؤ میں شیعوں کی سب سے پہلی نماز جماعت ہوئی اور جمعہ کی بنیاد قائم ہوئی۔ اس وقت غفرانمآبؒ کی دینی مصروفیتوں کا کہنا ہی کیا ہے۔ پھر بھی انہوں نے اپنے فرزند اکبر کی تربیت اس بلند معیار پر کی جس کی بنا پر وہ اپنے والد ماجد کے صحیح جانشین ہو سکے جسے تائید الہی کے سوا اور کچھ کہا نہیں جاسکتا۔ اور اس تائید الہی کا ظہور اس خواب سے ہو گیا جسے جناب غفرانمآبؒ نے جناب سلطان العلماء کے ایام طفولیت میں دیکھا اور جس میں حضرت امام عصر علیہ السلام نے غفرانمآبؒ کو اس صاحبزادہ کی تربیت کے لئے اپنے زیر سایہ لینے کی بشارت دی۔ اس پر جناب سلطان العلماء عمر بھر فخر کرتے رہے۔ اس کا ذکر جناب تاج العلماء نے اپنی مبسوط کتاب تفسیر سورہ یوسف احسن القصص میں رویائے صادقہ کی مثال میں تفصیل کے ساتھ کیا ہے۔

تعلیم

اسے خواہ سلطان العلماء کی صلاحیت ذہنی کا غیر معمولی کرشمہ سمجھا جائے اور خواہ جناب غفرانمآبؒ کی تعلیم و تربیت کا حیرت انگیز کمال کہ سلطان العلماء کے بعد اس سلسلہ کے جتنے افراد ہوئے ان کے ذرائع تعلیم میں تو برابر وسعت پیدا ہوتی جا رہی تھی۔ جناب سلطان العلماء کے دوسرے بھائیوں کی تعلیم میں کچھ نہ کچھ تو باپ کے ساتھ بڑے بھائی یعنی خود جناب

سلطان العلماء کی شرکت تھی مگر سلطان العلماء کے لئے مکتب اور مدرسہ اور یونیورسٹی شروع سے آخر تک جتنے مراکز تعلیم سمجھے جاسکتے ہیں ان سب کے لئے بس فقط ان کے والد یعنی غفرانمآبؒ کی ذات تھی۔ اس کے باوجود انتہائی تعجب خیز امر نہیں تو اور کیا ہے کہ انیس برس کی عمر میں سلطان العلماء تمام علوم عقلیہ و نقلیہ کی تحصیل سے فارغ ہو گئے۔ چنانچہ ۱۲۲۸ھ میں جناب غفرانمآبؒ نے آپ کو اجازہ مرحمت فرمایا۔ اس کے بعد جناب غفرانمآبؒ سترہ برس بقید حیات رہے لہذا یوں سمجھنا چاہئے اس طویل مدت میں آپ خدمات دینیہ، تربیت طلباء اور اشاعت دین کے کارناموں میں اپنے والد بزرگوار کے دست و بازو بنے رہے۔

غفرانمآبؒ کے بعد

جناب غفرانمآبؒ کی وفات کے وقت جناب سلطان العلماء کی عمر ۳۶ برس کی تھی۔ یہ ہر حیثیت سے کمال کی منزل تھی اور اس لئے آپ کی علمی و عملی جلالت باپ کی زندگی ہی میں مسلم ہو چکی تھی۔ پھر جناب غفرانمآبؒ نے ۱۲ جمادی الاول ۱۲۳۵ھ کو یعنی اپنے انتقال سے صرف دو مہینے سات دن پہلے ایک وصیت نامہ بھی تحریر فرمایا تھا جس میں آپ کی قائم مقامی کی تصریح فرما دی تھی۔ اس لئے جناب غفرانمآبؒ کے بعد حکومت اور رعایا، خواص اور عوام اہل خاندان اور اغیار سب نے بالافتاق آپ کو جناب غفرانمآبؒ کا جانشین تسلیم کر لیا۔

تقسیم عمل

خواہ اسے جناب غفرانمآبؒ کی ہمہ گیر صلاحیت اور غیر معمولی خصوصیت سمجھا جائے یا یوں خیال کیا جائے کہ جناب غفرانمآبؒ کے بعد تبلیغی کاموں کا حلقہ اتنا وسیع ہو گیا تھا اب وہ صورت ممکن نہ تھی، بہر حال یہ واقعہ ہے کہ جناب غفرانمآبؒ تنہا جن تمام مہمات کے کفیل تھے، اب غفرانمآبؒ کے بعد ضرورت ہوئی کہ وہ امتیازی اہلیتوں کے لحاظ سے متعدد اشخاص پر تقسیم ہو جائیں۔ چنانچہ انتہائی تنظیم اور اتحاد باہمی کے ساتھ یہ

تقسیم اس طرح عمل میں آئی کہ بادشاہ اور امراء کے یہاں کے دینی ضروریات کی تکمیل اور تبلیغ و اشاعت کے ادارہ کی تنظیم و ترتیب وغیرہ جناب سلطان العلماء نے اپنے ذمہ لی اور تدریس و تربیت افاضل اور اجتہادی مسائل کی تحقیق و تنقیح وغیرہ سب سے چھوٹے بھائی جناب سید العلماء کے متعلق ہوئی اور عوامی ضروریات کی انجام دہی مثل نماز جماعت اور استخارہ وغیرہ کے درمیانی بھائی جناب مولانا سید علی صاحب اور مولانا سید حسن صاحب سے وابستہ ہوئی جو کہ تقدس و تقویٰ کے ساتھ امتیازی خصوصیت رکھتے تھے۔

انقلابات سلطنت

چونکہ آل غفران مآب طاب ثراہ میں جناب سلطان العلماء نے سب سے زیادہ عمر پائی یعنی پچاسی برس دنیا میں زندگی گذاری، اس لئے آپ کو اپنے دور میں سلطنت وقت کے بہت سے انقلابات کے ساتھ سابقہ پڑا۔ شروع میں غازی الدین حیدر کا زمانہ، پھر نصیر الدین حیدر کا، پھر محمد علی شاہ کا، پھر امجد علی شاہ، پھر واجد علی شاہ اور پھر امتزاع سلطنت غدر اور اس کے بعد انگریزوں کی حکومت۔

جب تک شاہی رہی، شاہوں کے مختلف مزاجوں اور طبیعتوں کی وجہ سے مختلف حالات سامنے آئے اور جب شاہی گئی اور انگریزوں کا دور آیا تب تو زمین آسمان ہی بدلے ہوئے نظر آئے۔

یہ تمام حالات اور ان کے تقاضے اتنے مختلف تھے کہ جب تک قدرت کی طرف سے ایسا ہمہ گیر دل و دماغ نہ ملا ہوتا ایک ایسے ہمہ گیر روحانی اقتدار والی شخصیت کو جیسے کہ سلطان العلماء کی تھی ان تمام ادوار میں زندگی گذارنا آسان نہ تھا۔

میرا مطلب یہ ہے کہ اگر سلطان العلماء ایک محراب و مدرسہ میں محدود قسم کے عالم ہوتے جب تو ہو سکتا تھا کہ انقلابات کی آندھیوں سے وہ غیر متعلق رہ سکیں مگر جس پیمانے پر جناب غفران مآب نے دینی ادارہ کی داغ بیل ڈالی تھی اور جس منتہائے

عروج تک وہ اب سلطان العلماء کے وقت میں پہنچ گیا تھا، اس کے لحاظ سے واقعہ یہ تھا کہ وہ شیعوں کے پورے اجتماعی نظام پر حاوی تھا جس کا دائرہ اب ہندوستان کے شرق و غرب پر محیط ہو چکا تھا بلکہ اس کے فیوض عراق و ایران تک پہنچ رہے تھے۔ ایسی صورت میں ناممکن تھا کہ گوشہ گیری اور انزواء کے طریقہ پر عمر بسر کی جاتی یا برسر اقتدار سلاطین سے بالکل غیر متعلق ہو کر زندگی گذاری جاتی جب کہ وہ سلاطین بھی مذہب جعفری کے نام لیوا اور پرستار تھے اور ان کی صحیح رہنمائی بھی جس حد تک ممکن ہو روحانی رہبر کے فرائض میں داخل تھی۔

اس کا نتیجہ تھا کہ ان میں سے بعض ادوار جناب سلطان العلماء کے لئے کافی امتحانی بن گئے جن میں سے بڑا نازک دور نصیر الدین حیدر بادشاہ کا ہے جس کے کچھ واقعات کا چرچا امتداد زمانہ کے محو کرنے والے اثرات کے باوجود اب تک بعض زبانوں پر بھی جاری ہے اور بعض کتابوں کے صفحات پر بھی آگیا ہے۔ جن میں کبھی تو جناب سلطان العلماء کی ذہانت نے میدان سر کیا ہے اور کبھی خداداد ہمت و جرأت نے جس کے ساتھ بروقت تائید ربانی اور اقبال سرمدی کے پیدا کئے ہوئے رعب و ہیبت کا بھی اثر شامل ہے۔

مثلاً یہ موقع کافی نازک تھا کہ جو اس سال نصیر الدین حیدر بادشاہ کے ذہن میں کچھ مخصوص کیفیات کے عالم میں اور پھر عوامی عقیدت کے جذبات کے ساتھ ۲۱ ماہ رمضان کے تابوت جناب امیر علیہ السلام کے لئے یہ روا جاتی ہے کہ جناب سلطان العلماء نماز جنازہ پڑھائیں تاکہ شبیہ مکمل ہو جائے۔

عوام غالباً اس موقع کی نزاکت کو زیادہ محسوس نہ کر سکی اور شاید اس دور کے عوامی علماء بھی ایسے موقع پر اس میں کوئی دشواری محسوس نہ کریں کہ بادشاہ کی خواہش پر عمل کر ہی دیا جائے مگر فرض شناس علماء دین کے لحاظ سے یہ موقع بڑا سخت امتحانی تھا۔

بحیثیت یادگار کوئی عمل وہ نہ بھی ہو تو اصطلاحی طور پر اسے بدعت سمجھنا درست نہیں ہے جب کہ اسے شرع میں خاص طور پر

وارد ہونے کے تصور سے نہیں کیا جاتا بلکہ عمومی احکام کے تحت میں انجام دیا جاتا ہے مگر نماز ایک خاص عبادت ہے جس کے لئے شریعت نے مواقع مقرر کر دئے ہیں اور بغیر ان مواقع کے دل بخواہ اسے انجام دینا یا خود ساختہ شکل سے انجام دینا بدعت ہے جو حرام ہے۔

ادھر بادشاہوں کی طبیعت کہ وہ جس وقت جو دھن آجائے اس کے خلاف کچھ سمجھنے کے لئے آمادہ ہی نہیں ہوتے۔ پھر فرمائش ایسی جو ان کے اس وقت کے تصورات کے لحاظ سے سلطان العلماء کے فرائض میں داخل ہے۔ یہ وہ موقع تھا عوام کو تو شاید اس وقت کے بھی اس کی نزاکت کا احساس نہ ہو مگر اس وقت کے اہل علم کے طبقہ میں بڑا انتشار اور تلاطم پیدا ہو گیا تھا کہ اب سلطان العلماء کیا کریں گے۔ اگر بادشاہ کی مخالفت کرتے ہیں تو آج جان کی خیر نہیں اور اگر تعمیل کرتے ہیں تو اپنے شرعی موقف کے لحاظ سے پستی میں جاتے ہیں۔ ادھر جناب سلطان العلماء کو اس نزاکت کا بھی احساس کہ بادشاہ کے دل میں جو یادگار کے تقدس اور احترام کا جذبہ ہے اس جذبہ کو ٹھیس بھی نہ لگنا چاہئے۔

اس وقت غیر معمولی ذہانت ہی کا کرشمہ تھا کہ جو جناب سلطان العلماء اس خطرہ سے بال بال باہر نکل آئے۔ اس طرح کہ آپ بادشاہ کی طلب پر بلا توقف تشریف لے گئے اور شریک تابوت ہوئے۔ جب تابوت تیار ہو کر آیا اور سامنے رکھا گیا بادشاہ نے کہا بڑھئے آگے اور نماز پڑھائیے تو سلطان العلماء نے ایک خاص انداز سے فرمایا کہ یہ تو امام کا تابوت ہے۔ امام کے سوا کون نماز پڑھا سکتا ہے؟ یہ حقیقت پر درجواب وہ تھا کہ جو بادشاہ کے جذبہ احترام کے بالکل مطابق تھا۔ اس لئے انہوں نے اپنی غلطی کا اعتراف کرتے ہوئے سلطان العلماء سے زحمت دہی کی معافی چاہی اور آپ بخیر و عافیت شریعت کدہ کی طرف واپس ہوئے۔ بہت ممکن ہے کہ کسی وقت فرصت میں اس کے بعد آپ نے بادشاہ کو اصل شرعی پہلو سمجھا بھی دیا ہو مگر ظاہر ہے کہ اس وقت نفسیاتی طور پر اس کا کوئی امکان نہ تھا اور وہی

طریقہ کار گر ہو سکتا تھا جو جناب سلطان العلماء نے اپنی ذہانت سے اختیار فرمایا۔

دوسرا واقعہ جس میں جرأت و ہمت اور رعب و اقبال نے کام کیا یہ تھا کہ کسی وجہ سے نصیر الدین حیدر بادشاہ کو آپ سے پر خاش پیدا ہو گئی اور یہ ارادہ کیا کہ وہ آپ کو مجمع عام میں سبک کریں۔ اس لئے آپ کو بلوایا اور اپنے لئے ایک کرسی بچھوائی جس پر خود بیٹھے اور بس ایک کرسی پاس رکھی جس پر قلمدان رکھ دیا اور ارادہ یہ کیا کہ آج نہ سلطان العلماء کی تعظیم کو کھڑا ہوں گا اور نہ بیٹھنے کے لئے جگہ دوں گا بلکہ کھڑے کھڑے بات کرنے پر مجبور کروں گا تاکہ لوگوں کی نظر میں وہ سبک ہو جائیں۔

سلطان العلماء حسب الطلب تشریف لائے مگر جب آخری زینہ پر پہنچے تو آپ نے دستور عرب و عجم کے مطابق بلند آواز سے کہا یا اللہ جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ میں آ رہا ہوں۔ اس آواز سے بادشاہ نے بے ساختہ اوپر دیکھا اور گھبرا کر اپنی جگہ سے تعظیماً کھڑے ہو گئے۔ اتنی دیر میں سلطان العلماء قریب پہنچ گئے اور بلا تکلف قلمدان ہاتھ میں اٹھا کر دوسری کرسی پر بیٹھ گئے اور قلمدان کو اپنے زانو پر رکھ لیا بادشاہ نے مسئلہ پوچھا۔ یہ بھی در حقیقت مسئلہ نہ تھا بلکہ ایک طرح کی بحث منظور تھی کہ کیا یہ درست ہے کہ امم سابقہ میں اگر کسی کے جسم پر نجاست لگ جاتی تھی تو اتنا جسم کاٹ ڈالا جاتا تھا۔ جناب سلطان العلماء سمجھ گئے کہ اس کے بعد کیا سوال ہوگا آپ نے فرمایا ہاں درست ہے مگر خون اس شریعت میں نجاست میں داخل نہیں تھا۔ اس کے بعد بادشاہ کو کچھ کلام کرنے کی گنجائش محسوس نہ ہوئی اور آپ فی امان اللہ کہہ کر رخصت ہو گئے۔ بادشاہ رخصت کے وقت بھی تعظیم کے لئے کھڑے ہوئے اور آپ کے تشریف لے جانے کے بعد کچھ دیر تک سوچ میں بیٹھے رہے۔ بعد میں کسی بے تکلف شخص سے کہا کہ میں نے تو یہ چاہا تھا کہ آج قبلہ و کعبہ کی تعظیم نہ کروں گا مگر جب وہ آئے تو ایسا محسوس ہوا کہ کسی نے بغلوں میں ہاتھ دے کر مجھے کھڑا کر دیا، بیشک یہ خدا کے مخصوص بندے ہیں۔

اس وقت سے بہت زیادہ آپ کی عظمت سے متاثر ہوئے مگر ان کے اشغال کچھ ایسے تھے کہ بسا اوقات وہ لاشعوری طور پر کچھ احکام دے دیتے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ یہاں تک نوبت پہنچی کہ حکم دے دیا سلطان العلماء کے مکان کو توپ سے اڑا دیا جائے۔ یہ شام کا وقت تھا حکم افسر تو پہچانہ کو پہنچا وہ خود سلطان العلماء سے انتہائی متاثر تھا۔ اسے بڑی فکر ہوئی۔ اس نے جان پر کھیل کر راتی راتا دو توپیں نصب کرائیں، ایک سلطان العلماء کے مکان کے سامنے اور دوسری توپ قصر سلطانی کے بالمقابل۔ بادشاہ صبح کو اٹھے تو اب ہوش میں تھے خبر ہوئی کہ قصر سلطانی کے سامنے توپ لگی ہوئی ہے۔ افسر کو بلایا کہا: ”یہ کیا قصہ ہے“ اس نے دست بستہ عرض کیا: ”حضور نے رات کو یہ حکم صادر کیا تھا، سلطان العلماء کا مکان توپ سے اڑا دیا جائے۔ میری غیرت ایمانی نے گوارا نہ کیا کہ بادشاہ دین کا مکان اڑا دیا جائے اور بادشاہ دنیا کا باقی رہے۔ اس لئے میں نے چاہا کہ میں اپنا دین بر باد کر رہا ہوں تو آج دنیا کو بھی بر باد کر دوں اور پھر خود بھی ختم ہو جاؤں۔“ بادشاہ بہت متاثر ہوئے۔ اپنا حکم سابق منسوخ کیا اور توپخانہ افسر کو انعام و اکرام سے سرفراز کیا۔

نصیر الدین حیدر بادشاہ کے بعد محمد علی شاہ ہوئے یہ بڑے دیندار تھے اور علماء سے عقیدت رکھتے تھے ان کے ذریعہ سے جو کار خیر قائم و دائم طور پر انجام تک پہنچا وہ وقف حسین آباد مبارک کی شکل میں اب تک قائم ہے جس سے باوجود انتظامی خامیوں اور بہت حد تک مفاد وقف کے پورا نہ ہونے کے پھر بھی کثیر التعداد کارہائے خیر اب تک انجام پا رہے ہیں۔

حکومت شرعیہ کا قیام

محمد علی شاہ کا دور زیادہ عرصہ تک قائم نہیں رہا مگر ان ہی کے مذہب پر دوسریہ تربیت میں پروان چڑھے ہوئے امجد علی شاہ سریر اقتدار پر آئے تو انہوں نے سلطان العلماء کو بلا کر تاج ان کے سامنے ہی رکھ دیا کہ یہ آپ کا حق ہے، میرا نہیں ہے۔ سلطان العلماء نے انہیں شاباشی دی اور فرمایا: ”ہمیں شخصی اقتدار درکار

نہیں ہے۔ آپ ان مقاصد کی تکمیل کریں جو شریعت مطہرہ میں اہم اور ضروری ہیں، تو میں یہ تاج خود اپنی طرف سے آپ کے سر پر رکھ دوں۔“ بادشاہ نے سلطان العلماء سے عہد و پیمان کیا اور آپ نے وہ تاج اپنے دست مبارک سے خود ان کے سر پر رکھ دیا۔ غالباً اسی کی طرف جناب مفتی میر عباس صاحب نے جناب سلطان العلماء کی وفات کے بعد قطعہ تاریخ میں اس شعر کے ساتھ اشارہ کیا ہے:

آں ہمایوں منظرے کز سایہ اقبال او

بادشاہاں سر بسر دیہیم و افسر داشتند

امجد علی شاہ نے اپنے اس عہد کو پورا یوں کیا کہ تمام نظام مملکت کو قانون شریعت کا تابع بنادیا۔ دیوانی اور فوجداری دونوں عدالتیں سلطان العلماء کے ماتحت ہو گئیں اور تمام دوازدہ لاتی سلطان العلماء کی مرضی کے مطابق تشکیل ہوئی۔ چنانچہ محکمہ شرعیہ کے چیف جسٹس جناب سلطان العلماء کے سب سے بڑے بیٹے جناب منصف الدولہ شریف الملک مولوی سید محمد باقر صاحب ہوئے۔ پولیس جناب خلاصۃ العلماء مولانا سید مرتضیٰ صاحب کے تحت ہوئی اور فوجداری کے محکمہ کے نگران اعلیٰ خود جناب سلطان العلماء ہوئے جہاں قانون شریعت کے مطابق حدود شرعیہ کا اجراء ہوتا تھا غرض تمام محکمے اسی صورت پر قائم ہوئے۔

استغناء اور قناعت

مذکورہ بالا صورت حال میں ہر شخص اندازہ کر سکتا ہے کہ سلطان العلماء کی جگہ کوئی دوسرا شخص ہوتا تو اپنے لئے اور اپنی اولاد کے لئے کچھ کر سکتا تھا مگر اس وقت جب پوری حکومت سلطان العلماء کے ہاتھ میں تھی، انہوں نے نہ اپنے لئے کوئی عالیشان محل تعمیر کیا، نہ اپنی اولاد کے لئے کوئی بڑی جائداد خرید کر گئے۔

گاؤں جو اب تک زمینداری کے خاتمہ کے پہلے اولاد سلطان العلماء کے پاس تھے، وہ وہی تھے جو غفران آباد کو زمانہ آصف الدولہ میں عطا ہوئے تھے۔ جناب سلطان العلماء کے

زمانہ کی کوئی جائداد اور کوئی اندوختہ ان کی اولاد تک نہیں پہنچا۔ وہی عالمانہ اپنا ذاتی کاشانہ جوہری محلہ میں تھا جہاں مقدمات بھی فیصلہ ہوتے تھے اور مجرموں کو سزائیں بھی دی جاتی تھیں اور تمام دفتری کام بھی انجام پاتے تھے۔

یہ سیرت کا پہلو وہ تھا جس سے متاثر ہو کر جناب مفتی میر عباس صاحب کو کہنا پڑا

در حکومت زہد و تقویٰ العجب ثم العجب
کیسہ پر زرداشتند و طبع بوذر داشتند

صاف گوئی اور حق پروری

جناب سلطان العلماء نے نصیر الدین حیدر بادشاہ کے دور حکومت میں بھی کبھی ”کلمہ حق“ سے زبان نہیں روکی یہاں تک کہ ایک مرتبہ بادشاہ نے کسی ایسی عورت سے جس میں کچھ عذر شرعی تھا تعلق ازدواجی قائم کرنے کا مسئلہ دریافت کرایا اور جناب نے قانون شرعی کے مطابق جواب دیا کہ حرام ہے۔ پھر کچھ مدت کے بعد اور ممکن ہے کہ اظہار ناگواری اور رعب و دبدبہ سلطانی کے تھوڑے سے مظاہرات کرنے کے بعد دوبارہ وہی مسئلہ پوچھوایا تو جناب نے ارشاد کیا اس مسئلہ کا جواب ایک مرتبہ جو دیا جا چکا ہے وہی ہے ”حَلَالٌ مُحَمَّدٌ حَلَالٌ اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَةِ وَ حَرَامٌ مُحَمَّدٌ حَرَامٌ اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَةِ“ اس میں لطیف پہلو یہ تھا کہ خود آپ کا اسم گرامی بھی سید محمد تھا۔

پھر اب امجد علی شاہ تو آپ کے شرعی ہدایات پر چلنے کا عہد و پیمان کر چکے تھے، اب اظہار حق میں کون امر مانع ہو سکتا تھا؟ چنانچہ محکمہ شرعیہ قائم ہونے کے بعد کا واقعہ ہے کہ ایک تاجر بادشاہ کے لئے کوئی بہت بیش قیمت طلا کار اور جواہر نگار مسند و تکیہ لایا تھا جسے تیرہ لاکھ میں خرید کیا گیا مگر ارکان دولت نے چند لاکھ اسے دے کر باقی قیمت دہالی اور ادانہ کی۔ اُس نے دفتروں میں بڑی دوا دوش کی مگر اس کی سنی ان سنی کر دی گئی۔ اب جب محکمہ شرعیہ قائم ہو گیا تو اس نے بادشاہ کے خلاف سلطان العلماء کی عدالت میں مقدمہ دائر کیا۔ آپ نے ضروری ثبوت لینے کے

بعد بادشاہ کے خلاف اسے ڈگری دے دی اور بادشاہ کے یہاں سے وہ روپیہ ادا کیا گیا۔ اس واقعہ کے بعد سلطان العلماء کے انصاف و عدالت کی ہر قوم و ملت میں دھوم ہو گئی۔

امجد علی شاہ کے بعد واجد علی شاہ تخت حکومت پر آئے۔ ان کے دور میں وہ شرعی نظام تو قائم نہیں رہا جو امجد علی شاہ نے قائم کر دیا تھا مگر سلطان العلماء کے ادب و احترام میں کوئی کمی نہیں ہوئی اور جناب سلطان العلماء نے اپنی روایتی صاف گوئی اور حق پروری کو برابر قائم رکھا جس کی وجہ سے اب کبھی کبھی تصادم کے امکانات پیدا ہوئے مگر سلطان العلماء نے اس کا کوئی لحاظ نہیں کیا۔

اس کا ایک خاص موقع ہنومان گڈھی کے واقعہ میں آ گیا تھا جب ایک مسجد پر مقامی اکثریت نے قبضہ کر لیا تھا اور ایٹھی کے مولوی امیر علی صاحب تمام آئینی کوششوں کے بعد سر سے کفن باندھ کر مسلمانوں کی ایک پر جوش جماعت کو لے کر اس مسجد کی حفاظت کے لئے چل کھڑے ہوئے حکومت کسی وجہ سے مقامی اکثریت کی ہم نوا بن گئی تھی اور مولوی امیر علی کی حیثیت حکومت کے باغی کی سمجھی جا رہی تھی۔

اس موقع پر یہ تاریخی واقعہ ہے کہ علمائے فرنگی محل تک نے جو مولوی امیر علی صاحب کے ہم مذہب تھے یہ فتویٰ دیا تھا کہ اطاعت اولی الامر واجب ہے اور مولوی امیر علی کو حکومت کی مخالفت نہ کرنا چاہئے، مگر سلطان العلماء نے شیعہ عالم ہوتے ہوئے شیعہ حکومت کا ساتھ نہیں دیا اور بادشاہ کی انتہائی کوشش کے باوجود امیر علی صاحب کے خلاف فتویٰ صادر نہیں فرمایا اور صاف کہہ دیا کہ ان کے خلاف کوئی اقدام حرام اور ناجائز ہے اگرچہ سلطنت نے اس فتوے پر عمل نہیں کیا مگر وہ انتہائی ناگواری کے باوجود سلطان العلماء کو کوئی نقصان بھی نہیں پہنچا سکی۔ اس علمی جاہ و جلال کو دیکھتے ہوئے جناب مفتی صاحب نے فرمایا:

رہبر دین علیٰ بودست و ہمنام نبی
ہیبت از رعب او در قلب کافر داشتند

لطائف و ظرائف

جناب سلطان العلماء کے رعب و داب اور جلالت و سطوت کی بنا پر تصور ہوتا ہوگا کہ آپ تنگ مزاج اور پر خشونت انداز رکھتے ہوں گے، مگر یہ حیرت ناک بات ہے کہ ایسا نہیں تھا۔ آپ بڑے کشادہ رو اور خوش مزاج، لطیف الطبع اور حاضر جواب تھے اور اس خوش طبعی کے ساتھ ذہانت کی کار فرمائی نے آپ کے سوانح نگار کے لئے لطائف کا ایک ذخیرہ باقی رکھا ہے جس کا سینہ بسینہ اب تک تذکرہ چلا آتا ہے ان میں سے چند بطور مثال ذیل میں درج ہیں

۱- آپ کے بے تکلف احباب میں ایک سنی عالم مولوی امر اللہ صاحب تھے۔ ایک روز چند ایسے ہی رفقاء کا اجتماع تھا۔ جناب سلطان العلماء نے امر اللہ صاحب سے مخاطب ہو کر فرمایا: ”آپ کے لئے ہم نے مہر کے لئے ایک نقش تجویز کیا ہے۔“ وہ بڑے اشتیاق سے متوجہ ہوئے حاضرین بھی گوش بر آواز ہو گئے۔ آپ نے فرمایا: ”آپ کے نقش خاتم میں یہ آیت قرآن بہت مناسب ہوگی“ ”وَكَانَ أَمْرُ اللَّهِ مَفْعُولًا“ حاضرین سب ہنسنے لگے۔ مولوی صاحب بھی چارنا چارنس پڑے۔

۲- نصیر آباد میں جو آپ کا آبائی وطن تھا، محلہ قضاہ کی طرف سے تعزیر لے جاتے تھے۔ یہ راستہ قریب کا تھا مگر اس طرف اہلسنت کی آبادی تھی۔ ایک سال فرقہ واریت نے ذرا شدت اختیار کی اور اہلسنت کے کچھ ممتاز افراد نے جناب سلطان العلماء کے پاس آکر عرض کیا کہ آپ شیعان نصیر آباد کو ہدایت فرمائیں کہ وہ تعزیر لے اس راستے سے نہ لے جائیں۔ دوسرے راستے سے لے جائیں آپ حکم دے دیں تو سب تعمیل کریں گے۔ آپ نے فرمایا: ”میں لکھنؤ میں، یہ معاملہ نصیر آباد کا۔ میں دخل دے کر کیا کروں۔“ پھر آپ اپنے نقطہ نظر سے دیکھتے تو بدعت کا تھوڑی دیر کا ہونا اچھا یا زیادہ دیر تک جب راستہ دور کا ہوگا تو بدعت دیر تک ہوگی۔ اس لئے آپ کو بھی راستے کے بدلنے پر اصرار نہ کرنا چاہئے۔

۳- غدر میں چونکہ برجیس قدر کی تاجپوشی آپ کے ہاتھ سے ہوئی تھی اس لئے انگریزوں کے یہاں آپ کا نام باغیوں کی فہرست میں درج ہو گیا تھا۔ غدر کے بعد جب انگریزی تسلط ہوا تو آپ سے بدگمانی انگریزوں کی عرصہ تک قائم رہی۔ اس زمانے کے انگریز جو یہاں آتے تھے، وہ مسلمانوں کے مذہب، معاشرت اور فرقوں کے خصوصیات سے خوب واقف ہوتے تھے۔ ایک دن کسی انگریز حاکم نے ایک مجمع میں سلطان العلماء سے کہا کہ جب آپ کے امام ظہور کریں گے تو پھر آپ ہم لوگوں سے خوب جہاد کریں گے اور ہمیں ماریں گے۔ آپ نے مسکرا کر فرمادیا کہ ان کے ساتھ حضرت عیسیٰ مسیح بھی ہوں گے جو ان کی ہدایت ہوگی، اس پر عمل کریں گے۔ وہ انگریز خاموش ہو گیا اس شگفتہ مزاجی کو یاد کر کے جناب مفتی صاحب نے خوب فرمایا ہے:

حسن خلق و خوف محشر از جناب شاہ نگر
خندہ برب داشتند و دیدہ تر داشتند

تصانیف

آج کل ہی نہیں بلکہ ماضی قریب کے بہت سے علماء کو دیکھا جائے تو انہوں نے کوئی ایک مشغلہ خدمت دین کی حیثیت سے اختیار کر لیا، خواہ وہ بیان منبر ہو یا کسی ادارہ کا انتظام ہو تو وہی تصنیف و تالیف سے ان کی معذوری کے لئے کافی ہو گیا یا اگر پریشان حالی میں زندگی بسر ہوئی تو ”فکر نان“ ہی عذر قوی بن گئی۔ مگر ذرا سلطان العلماء کے ایک پوری حکومت کے نظام کی سربراہی کو دیکھئے جسے ”فکر نان“ نہیں ”فکر جہان“ کی حیثیت حاصل تھی اور اس کے بعد ان کے تصانیف پر نظر ڈالئے تو حیرت ہوتی ہے کہ ان تمام مشاغل و شواغل کے باوجود ان کے تصانیف تعداد میں اپنے پیشرو حضرت غفرانمآب طاب ثراہ اور اپنے چھوٹے بھائی جناب سید العلماء کے برابر ہی نظر آتے ہیں۔ پھر یہ تعداد مختصر رسالوں ہی کے ناموں سے پوری نہیں ہوتی ہے بلکہ ان میں ضربت حیدریہ کی دو جلدیں بھی ہیں جو مجموعاً ایک

ہزار صفحات کے قریب ہیں اور متعدد کتابیں کئی کئی سو صفحات کی ہیں۔ ان تصانیف میں علاوہ تحقیق و تدقیق کے جس میں صرف ذہنی جودت کی ضرورت ہے، تفحص اور جستجو کے ایسے آثار بھی ہیں جن کے لئے کثرت مطالعہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس کے ساتھ خود ان کی انفرادیت اس خوش طبعی کی آمیزش سے ہے جس کا ان کے لطائف کے باب میں تذکرہ ہو چکا ہے۔

ذیل میں کتابوں کی فہرست درج کی جاتی ہے:

- (۱) طَعْنُ الزَّمَاحِ (۲) مِنْهَاجُ التَّدْقِيقِ (عربی)
- (۳) سَيِّفُ مَاسِيحِ مَسِيحِ عَلَى الزَّجَلَيْنِ کی بحث میں (۴)
- أَصْلُ الْأُصُولِ رَدُّ أَخْبَارَيْنِ (۵) سَبْعُ مَثَانِي (۶) عَجَالَةُ نَافِعَةٍ عربی مختصر علم کلام (۷) بَارِقَةُ ضَيْغَمِيهِ رَدُّ تَحْفَةٍ در بحث متعہ (۸) ضربت حیدریہ دو جلدیں۔ یہ بھی بحث متعہ میں ہے۔ بَارِقَةُ ضَيْغَمِيهِ کے جواب میں مولوی رشید الدین دہلوی شاگرد صاحب 'تحفہ' نے 'شوکت عمریہ' لکھی ہے۔ اس کا جواب آپ نے 'ضربت حیدریہ' کے نام سے تحریر فرمایا جو بڑی مہتم بالشان تصنیف ہے۔ حالانکہ دیباچہ میں ایک شاگرد کا نام لکھ دیا ہے مگر یہ امر معلوم و متیقن ہے کہ کتاب تصنیف جناب سلطان العلماء ہی کی ہے جس کی تصدیق طباعت کے وقت اس دور کے تمام بزرگ مرتبہ علمائے خاندان نے فرمائی ہے (۹) بَوَارِقُ مُؤَبَّقَةٍ رَدُّ تَحْفَةٍ اثْنَا عَشْرِيَةِ بحث امامت (۱۰) إِيْحَائِي الْإِجْتِهَادِ (اصول فقہ) (۱۱) رسالۃ مسئلہ ضیق و وسعت در قضا (۱۲) فَوَائِدُ نَصِيرِيهِ در مسائل زکوٰۃ و خمس (۱۳) رسالۃ جمعہ (۱۴) رسالۃ تحقیق نجاست عرق جنب لجرام (۱۵) گوہر شاہوار در جواب سوالات نصیر الدین حیدر بادشاہ متعلق افضلیت اہلبیت و قرآن (۱۶) بَشَارَاتُ مُحَمَّدِيَّةٍ (۱۷) قِتَالُ النَّوَاصِبِ (۱۸) حَاشِيَةُ شَرْحِ سَلَمِ حَمْدِ اللَّهِ (۱۹) رسالۃ حل مسئلہ جذرا صم (۲۰) ثَمَرَةُ الْخِلَافَةِ (۲۱) إِزَاحَةُ الْغَيِّ در رد عبدالحی (۲۲) سَمُّ الْفَأْرِ (۲۳) صمصام قاطع، اس میں شعائر عزرا پر استدلالی بحث ہے (۲۴) بَزْقُ خَاطِفٍ (۲۵) کتاب مبسوط در رد تحفہ

بحث امامت (۲۶) حَاشِيَةُ شَرْحِ صَغِيرِ فَقِه (۲۷) شَرْحُ زُبْدَةِ الْأُصُولِ (۲۸) كَشْفُ الْغُطَايِ (۲۹) اجازہ جناب ممتاز العلماء (۳۰) رسالہ در اثبات حفاظ قرآن در فرقہ شیعہ (۳۱) اجازۃ جناب عمدة العلماء رحمہ اللہ

تلامذہ

باوجودیکہ تربیت و تعلیم طلاب اور یوں سمجھنا چاہئے کہ مستقبل کے افراد کی تعمیر کا کام جناب سید العلماء اعلی اللہ مقامہ کے ذمہ رکھ دیا گیا تھا اور ان کے بعد عملی طور پر ان کے خلف الصدق جناب ممتاز العلماء سید تقی صاحب قبلہ نے اس ادارہ کو سنبھالا پھر بھی کچھ حضرات نے جناب سلطان العلماء سے استفادہ علمی کے لئے بھی کچھ وقت حاصل کر لیا۔ چنانچہ آپ کے حالات میں ان کے چند تلامذہ کے نام ملتے ہیں:-

- (۱) مولوی سید محمد صاحب جنہیں پھر ہنگوی میں امام جمعہ و جماعت کے منصب پر بھیج دیا گیا تھا (۲) مولوی سید سرفراز حسین صاحب (۳) قاضی سید محمد رضا عرف آغا سید صاحب جانی (۴) حافظ قاری سید جعفر علی صاحب جارچوی (۵) مرزا محمد صاحب فیض آبادی (۶) مولوی مشرف علی صاحب (۷) سید باقر شاہ بخاری (۸) مولوی سید دیدار جہاں صاحب متوطن بڑا گاؤں ضلع فیض آباد جو مولانا سید عالم حسین صاحب مرحوم مدرس جامعہ سلطانیہ کے نانا تھے (۹) مولانا سید علی حسن صاحب جانی جو خطیب آل محمد مولانا سید سبط حسن صاحب مرحوم کے نانا تھے (۱۰) مفتی نواب میرزا صاحب (۱۱) مولانا سید علی صاحب محدث مصنف 'مجالس علویہ'۔ ان تلامذہ کے علاوہ آپ کے صاحبزادگان بھی آپ کے علوم کے وارث تھے جن میں سب سے بلند ہستی جناب خلاصۃ العلماء سید مرتضی اعلی اللہ مقامہ کی تھی نیز ملک العلماء سید بندہ حسین صاحب جو آپ کے جانشین بھی ہوئے۔ ان حضرات کا مرکز استفادہ ان کے والد بزرگوار جناب سلطان العلماء ہی کی ذات تھی۔

وفات

شب جمعہ ۲۲ ربیع الاول ۱۲۸۴ھ کو لکھنؤ میں ۸۵ سال

کی عمر میں یہ آفتاب علم و دین غروب ہو گیا۔

آپ کا زمانہ ہندوستان میں شیعیت کے عروج و سر بلندی علمائے دین کے وقار و عظمت کے ارتقاء اور خاندان اجتہاد کی سر بلندی کے کمال شباب اور پھر ابتدائے زوال کا دور تھا۔

آپ نے اپنی آنکھوں سے وہ دن بھی دیکھا جس کے آفتاب نیمروز وہ خود تھے اور خود اپنے مغرب قبر میں نہاں ہونے کے پہلے ہی اس شام کا دھند لکا بھی دیکھ لیا جو آپ کے بعد رفتہ رفتہ بڑھتا گیا اور جواب ایک رات کی صورت میں محیط ہو گیا ہے۔

جناب مفتی میر عباس صاحب قبلہ نے جو قطعہ تاریخ اس سلسلہ میں نظم کیا تھا اس کے بعض اشعار جستہ جستہ متعدد مقامات پر آتے رہے ہیں۔ اس قطعہ تاریخ میں جہاں سے وفات کا ذکر شروع ہوتا ہے اور پھر مادہ تاریخ ہے، وہ اشعار درج ذیل ہیں:

حیرتم از حال مرگ سید رضواں مآب
گوینا شوق لقاے دوست در سر داشتند
با تشنگ در نماز آخر روز وفات
رفع ید در گفتن اللہ اکبر داشتند
ساعت دہ از شب بست و دوم ماہ ربیع
رخت بر بستند و عزم بزم داوڑ داشتند
آہ یا ویلاہ ما ادراک ما یوم النہیس
کاندریں کنج لحد از خاک بستر داشتند
حلہ ہائے نو بنو پوشند در خلد بریں
در جہاں گر چہ لباس کہنہ در برداشتند
سال تاریخ وفاتش را چہمی پرسى زمن
آسمانے بود وائے از زمیں برداشتند
۴ ۸ ۲ ۱ ۵

اولاد و اخلاف

آپ کو عمر کے تناسب ہی سے قدرت کی جانب سے نعمت اولاد فراوان عطا ہوئی تھی جن میں سب صاحبان علم تھے اور متعدد افراد کمال و اجتہاد کی منزل پر فائز تھے (۱) فرزند اکبر جناب منصف

الدولہ شریف الملک سید محمد باقر۔

صاحب مصنف تشہید المہمانی (۲) جناب سید صادق صاحب مصنف تائید المسلمین وغیرہ (۳) خلاصۃ العلماء جناب سید مرتضیٰ صاحب اعلیٰ اللہ مقامہ جو یگانہ روزگار فلسفی و معقولی تھے اور جناب فردوس مآب مولانا سید حامد حسین صاحب مصنف عبقات الانوار کے استاد تھے اور پھر فن سپہ گری میں اس دور کے مانے ہوئے استاد تھے (۴) سید عبد اللہ صاحب مصنف خلاصۃ الاعمال وغیرہ

ان تمام حضرات کا انتقال جناب سلطان العلماء کی حیات میں ہوا۔

(۵) ملک العلماء سید بندہ حسین صاحب جو اپنے والد بزرگوار کے بعد ان کے جانشین قرار دئے گئے (۱۶) سید غلام حسین صاحب (۱۷) تاج العلماء سید علی محمد صاحب جامع علوم یگانہ، روزگار عالم اور کثیر التصانیف۔ آپ کے تذکرہ کے لئے مستقل طور پر ایک کتاب کی ضرورت ہے (۱۸) سید محمد علی صاحب جو جناب خلاصۃ العلماء کے بعد فن سپہ گری میں استاد ہوئے۔ (۱۹) جناب ڈپٹی سید علی اکبر صاحب مصنف تصانیف کثیرہ وغیرہ۔

ممتاز العلماء، فخر المدرسین آیۃ اللہ العظمیٰ

سید محمد تقی جنت مآب طاب ثراہ

نام نسب اور القاب

مولانا سید محمد تقی عرف جناب سید تقی صاحب قبلہ، جناب غفران مآب مولانا سید دلدار علی طاب ثراہ کے پوتے ان کے سب سے چھوٹے فرزند سید العلماء علیہن مکان مولانا سید حسین عرف جناب میرن صاحب قبلہ کے منجھلے بیٹے تھے ممتاز العلماء اور فخر المدرسین خطاب تھا اور انتقال کے بعد ”جنت مآب“ کے لقب سے ملقب ہوئے۔

ولادت اور نشو و نما

۱۶ جمادی الاول ۱۲۳۴ھ کو ولادت ہوئی۔ یہ آپ کے جد امجد جناب غفران مآب کی حیات کا تقریباً آخری سال تھا اور

آپ کے والد بزرگوار جناب سید العلماء طاب ثراہ کی عمر کے چوبیسویں برس کا آغاز تھا۔

اگرچہ آپ کے ایک بھائی آپ سے پہلے پیدا ہو چکے تھے جن کا نام علی حسین تھا اور جو بعد میں زین العلماء کے لقب سے ملقب ہوئے اور جن کی اولاد میں نواب سید مہدی حسین صاحب ماہر اور نواب سید اصغر حسین صاحب فاخر ایسے مشہور افراد ہوئے اور ایک بھائی آپ سے چھوٹے تھے جن کا نام علی نقی تھا اور جو زبدۃ العلماء کے لقب سے ملقب ہوئے یہ دونوں بھائی بھی صاحبان علم میں سے تھے جو ان کے القاب سے ظاہر ہے مگر قدرت نے اپنے باپ کے کمالات کا سب سے بڑا ورثہ دار اسی درمیانی فرزند کو بنایا تھا جو اپنے والد بزرگوار کے بعد فقہ و اصول کے دو علموں میں جو اصل معیار اجتہاد ہیں ہندوستان کے سب سے بڑے مجتہد تسلیم کئے گئے۔

تعلیم و تربیت

جناب جنت مآب کی عمر ابھی ایک سال سے کچھ ہی متجاوز ہوئی تھی کہ ۱۹ ماہ رجب ۱۲۳۵ھ کو آپ کے جد امجد جناب غفرانمآب نے دنیا سے رحلت فرمائی۔

اس کے بعد جیسا کہ جناب رضوان مآب کے حالات میں لکھا جا چکا ہے کہ تبلیغ و اشاعت اور تعلیم و تدریس کے کاموں میں وسعت کے پیش نظر اخلاف غفرانمآب میں باہمی یکجہتی کے ساتھ فرائض تقسیم ہو گئے۔ بادشاہ اور امراء کے یہاں کے دینی ضروریات کی تکمیل اور تبلیغ و اشاعت کے ادارہ کی تنظیم و ترتیب جناب سلطان العلماء کے ذمہ ہوئی ہے۔ اور تدریس و ترتیب افاضل اور اجتہادی مسائل کی تحقیق و تنقیح وغیرہ سب سے چھوٹے بھائی جناب سید العلماء کے متعلق ہوئی جو فقہ و اصول میں امتیاز خاص کے مالک تھے۔

ظاہر ہے کہ جناب سلطان العلماء کے کاموں میں جتنی آفاقیت اور بیرونی روابط کی وسعت کی ضرورت تھی اتنی جناب سید العلماء کے کام کی نوعیت میں نہ تھی۔ یہ ایک طرح کا ”گوشہ عافیت“

تھا جس میں انہیں داخلی تعمیر اور افراد مستقل کی تشکیل کے لئے جس ذہنی یکجہتی اور بیرونی کشمکش سے علیحدہ رہتے ہوئے یکسوئی کی ضرورت ہے وہ بدرجہ اتم حاصل تھی۔ اس لئے انہوں نے یقیناً اپنے فرزندوں کی تعلیم و تربیت بذات خود اپنے سے متعلق رکھی اور بالخصوص مجھلے بیٹے کی صلاحیتوں کو بچپن ہی سے محسوس کرتے ہوئے بہت پہلے ہی سے انہیں اپنے علمی کمالات کے حامل کی حیثیت سے خصوصی فیوض و افادات کا مرکز بنانے میں اپنی پوری توانائی صرف فرما رہے تھے اور ابتداء سے انتہاء تک تمام علوم و فنون کی تعلیم شفیق باپ نے اس بیٹے کو بذات خود دی۔

ساتھیوں میں امتیاز

ہندوستان کے شیعہ رجال سے واقف صاحبان علم بالاتفاق یہ ماننے پر مجبور ہیں کہ جتنی تعداد میں جلیل القدر علماء جناب سید العلماء علیہم السلام کے حلقہ درس سے نکلے اس کی نظیر کوئی دوسری نہیں ملتی مثلاً استاذ الناس مولانا مفتی سید محمد عباس طاب ثراہ، علامۃ المتکلمین صاحب عقبات الانوار مولانا سید حامد حسین صاحب اعلی اللہ مقامہ مولانا مرزا محمد اخباری اور قائمۃ الدین مولانا محمد علی صاحب، مولانا شیخ تفضل حسین فتح پوری، مولانا سید اولاد حسین شکوہ آبادی، مولانا سید غنی نقی زید پوری اور مولانا سید منصب علی زنگی پوری اور ایسے ہی کتنے اطراف ملک کے علماء تھے جو جناب سید العلماء کے درس سے فارغ التحصیل ہو کر نکلے۔ یہ بھی کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ ایک مجلس درس میں حاضر ہونے والے شرکاء درس مشکل ہی سے اپنے کسی ساتھی کے رفعت و امتیاز کے قائل ہوتے ہیں اور ان بے لوث مقدس شخصیتوں سے قطع نظر جن میں نفسانیت کا شائبہ نہ ہو، دل سے قائل ہوں بھی تو زبان و قلم سے اس کا اظہار مشکل ہوتا ہے۔ اس کے بعد جب ہم کتاب ”اوراق الذہب“ میں جسے جناب مفتی صاحب اعلی اللہ مقامہ نے اپنے استاد جناب سید العلماء کے حالات میں عربی زبان میں لکھا ہے ان چند سطروں کو پڑھتے ہیں جو انہوں نے اولاد جناب سید العلماء کے حالات میں لکھی ہیں تو ہم محسوس کرتے ہیں کہ

اپنے ساتھیوں میں جناب جنت مآب کو امتیاز کتنے نمایاں مرتبہ پر حاصل تھا جس کا بلا استثناء خود تمام ساتھیوں کو احساس تھا۔ اور پھر یہ حضرات نفسانیت سے بری اور بے لوث ایسے تھے کہ ان کو اپنے اس احساس کے اظہار میں کوئی تکلف نہ تھا، پھر اس کے ساتھ یہ خاص قابل لحاظ بات ہے کہ ہضم نفس اور انکسار کی بناء پر انسان کو خود اپنی ذات پر کسی کو ترجیح دینے کا حق ہے لیکن انکسار کی منزل میں اپنے تمام شرکائے درس کے بارے میں کوئی بات کہنے کا حق پیدا نہیں ہوتا جب تک حقیقت اتنی نمایاں نہ ہو جس کے سب ہی معترف ہوں۔

یہ بیش قیمت الفاظ جو جناب مفتی صاحب قبلہ نے ممتاز العلماء کے بارے میں صرف کئے ہیں جو خود اوراق الذہب میں ہمارے بھی سامنے آتے رہے ہیں اور انہیں مولانا سید محمد حسین صاحب نوگانونی مرحوم نے کتاب ”تاریخ العلماء (مطبوعہ جدید برقی پریس بلی ماران دہلی ص/ ۹۸) میں بھی درج کیا ہے حسب ذیل ہیں:

اَكْبَرُهُمْ فِي الْهُدَى وَالسَّادِ وَأَبْرَعُهُمْ بِالْفِقْهِ
وَالْإِجْتِهَادِ ذُو الْفِكْرِ الْمَتِينِ وَالرَّأْيِ الرَّزِينِ
فَخَزَنَ الْفَضْلَ الْمُدْرِسِينَ النَّقِيُّ السَّيِّدَ مُحَمَّدَ تَقِيَّ
أَعْلَى اللَّهِ قُدْرَهُ وَنَوَّرَ بَدْرَهُ هُوَ أَخَذْتُ مِنِّي سِنًا وَأَقْدَمَ فَضْلًا
مِنَّا۔

اولاد جناب سید العلماء میں ہدایات و ارشادات کے لحاظ سے سب سے بزرگ اور فقہ و اجتہاد میں سب سے محتاط، صاحب فکر، متقی و رائی محکم، فخر الافاضل مدرسین، پرہیزگار، پاکیزہ خصال سید محمد تقی ہیں اللہ ان کے مرتبہ کو اور بلند اور ان کے ماہ کامل کو اور زیادہ روشن کرے وہ عمر میں مجھ سے کم ہیں اور علم و فضل میں ہم سے مقدم ہیں۔

اس کے آخر کے دو فقرہ میں ”منی“ یعنی مجھ سے اور ”منا“ یعنی ہم سے کا جو فرق ہے اسے ہر عربی داں محسوس کر سکتا ہے۔

اس کے علاوہ جناب مفتی صاحب کے عربی دیوان

(مطبوعہ مطبع جعفری لکھنؤ) میں جس کا نام ”رطب العرب“ ہے ص/ ۲۳۸ پر ایک قصیدہ جناب سید العلماء کی مدح میں وہ ہے جس کا پہلا شعر یہ ہے:

عَالِمٌ حَبِزَ فِقْهَهُ كَامِلٌ

سَامِكٌ سَامَ سَمِيٍّ لِلْحَسَنِ

اس میں حسب ذیل اشعار میں اولاد سید العلماء کا ذکر ہے:

لَمْ تَزَلْ أُنْجَاهُهُ فِي أَفْقِهِ

فَوْقَ فَرْقِ الدَّهْرِ مِثْلَ الْفَرْقَدَيْنِ

”ان کے ستارے ان کے افق علم میں تمام زمانہ کے

سروں پر مثل فرقدین کے چمکتے رہے ہیں۔“

سَيِّمَا الْمَوْلَى النَّقِيُّ الْمُتَّقِيَّ

أَعْلَمَ الْأَغْلَامِ اتَّقَى الْخَافِقَيْنِ

”بالخصوص مولانا سید تقی صاحب جو مشاہیر اہل علم میں اعلیٰ

اور تمام شرق و غرب میں پرہیزگاری میں سب سے بڑھے ہوئے

ہیں۔“

جناب مفتی صاحب قبلہ ایسی ذمہ دار شخصیت کا علم علماء اور

اتقائے زمانہ کہنا کوئی معمولی بات نہیں ہے۔

اجازات اجتہاد

۲۸ برس کی عمر میں جب آپ کا آفتاب کمال خط نصف

النہار پر تھا اور اکابر علماء میں آپ کی فضیلت تسلیم ہو چکی تھی تو

۱۲۶۲ھ میں آپ کے عم معظم جناب سلطان العلماء نے پہلے

فرمائی اور ۱۸ ربیع الاول کو اجازہ اجتہاد مرحمت فرمایا اس کے

بعد آپ کے والد ماجد جناب سید العلماء نے کافی بسیط اجازہ تحریر

فرمایا جس میں بسط و تفصیل کے ساتھ آپ کی علمی و عملی رفعت پر

روشنی ڈالی ہے۔ اس کے بعد نجف اشرف سے شیخ الفقہاء جناب

شیخ محمد حسن نجفی صاحب جواہر الکلام نے بڑے گراں قدر الفاظ

کے ساتھ اجازہ لکھ کر روانہ فرمایا یہ تینوں اجازے مطبوعہ شکل میں

موجود ہیں۔

مدرسۂ سلطانیہ میں مدرس اعلیٰ:

جس طرح جناب غفرانمآبؒ ہندوستان کے سب سے پہلے مجتہد ہیں اور ان کے دور میں سب سے پہلی شیعہ نماز جماعت ہندوستان میں ہوئی۔ ویسے ہی جناب سید العلماء طاب ثراہ کے دور کی یہ خصوصیت ہے کہ آپ کی تحریک پر سب سے پہلے شیعہ عربی مدرسہ کی بنیاد قائم ہوئی جسے امجد علی شاہ بادشاہ نے قائم کیا اور جتنے اس وقت کے جید علماء تھے، سب اس کے مدرس قرار دئے گئے۔ اور جناب سلطان العلماء اور سید العلماء دونوں بزرگوں کی تجویز سے اس کے مدرس اعلیٰ جناب جنت مآب قرار دئے گئے جس کے لحاظ سے بادشاہ نے آپ کے القاب میں ”ممتاز العلماء“ کے ساتھ فخر المدرسین کا اضافہ کیا۔

جامعیت علوم

جناب جنت مآب کا خاص فن تو فقہ و اصول تھا جو معیار اجتہاد ہے اور اس میں باخبر افراد کی رائے یہ ہے کہ ان اسلاف کرام میں جناب سید العلماء اور جناب ممتاز العلماء کا مثل و نظیر سابقین و لاحقین میں کوئی نہیں ہوا، یہاں تک کہ ہر دور میں بحیثیت فقہ و اصول کے عراق کی مرکزیت مسلم رہی مگر جناب سید العلماء اور ممتاز العلماء کا کمال علمی وہ تھا کہ لکھنؤ ایک حد تک عراق کا مد مقابل ہو گیا تھا۔ چنانچہ جناب سید العلماء کے لئے اس کا ثبوت جناب مفتی صاحب قبلہ اعلیٰ اللہ مقامہ کے مجموعہ مکاتیب ”ظل مدود“ سے ملتا ہے، اس طرح کہ جناب مفتی صاحب نے صاحب جواہر کے نام ایک خط لکھا جس میں یہ آرزو ظاہر فرمائی کہ کاش میں عراق آکر آپ سے فیوض علمیہ حاصل کرنے کا موقع پاتا۔ اس کے جواب میں صاحب جواہر نے تحریر فرمایا کہ آپ یہ سوچنا چھوڑ دیجئے، اس لئے کہ جس ذات کے حلقہ تدریس میں آپ مصروف استفادہ ہیں یعنی جناب سید العلماء اس کے بعد آپ کو قطعاً ضرورت اس کی نہیں کہ آپ کسی دوسری درس گاہ کے خواہش مند ہوں یہ اور بات ہے کہ آپ شرف زیارت حاصل کرنے کے لئے ان اعتبارات مقدسہ کی طرف آنے کے متمنی ہوں جس کی ہر مومن کو تمنا ہونا چاہئے۔ یہ خط صاحب جواہر کا جو جناب

مفتی صاحب کے نام ہے ”ظل مدود“ میں موجود ہے۔ اور جناب ممتاز العلماء طاب ثراہ کے لئے لکھنؤ کے مشہور مقدس و متورع عالم دین جناب مولانا سید ابو الحسن عرف ابو صاحب قبلہ (والد سرکار باقر العلوم طاب ثراہ) جو خود مراکز علمیہ جا کر وہاں کے علماء کے مراتب علم کا ذاتی مشاہدہ فرما چکے تھے اور ان کی شہرہ آفاق احتیاط اور تقدس کی بنا پر ان کے یہاں لحاظ رشتہ اور جانبداری کا تصور روا نہیں، نہ مبالغہ کا خیال درست ہے ایسی ذمہ دار شخصیت کا بیان ان کے فاضل شاگرد جناب مولوی سید محمد حسین صاحب نوگانووی نے اپنی کتاب ”تاریخ العلماء“ (ص/۶۹) میں بذیل حالات جناب جنت مآب درج کیا ہے اس طرح کہ:

”جناب مرحوم فرماتے تھے کہ آپ علمائے عراق سے فقہ و اصول فقہ میں کم نہ تھے، اکثر جناب ممتاز العلماء کے اوصاف بڑے وجد سے فرمایا کرتے تھے۔“

لیکن آپ فقہ و اصول میں اس کمال کے ساتھ دوسرے علوم و فنون میں بھی امتیاز خاص کے مالک تھے۔ چنانچہ فن نحو میں آپ کا ایک مستقل متن ”العباب فی علم الاعراب“ ہے جو نحو کی مشہور کتاب کافہ سے زیادہ سلیس ہونے کی بناء پر افادیت کا حامل ہے۔ اور سب سے بڑا کارنامہ جو تمام علوم و فنون میں آپ کے کمال کا آئینہ بردار ہے، وہ آپ کی تفسیر ”ینایع الانوار“ ہے جس کی تقریباً ڈیڑھ ہزار صفحات کی ۲ جلدیں معرض تصنیف میں آسکیں جن میں مسائل علم کلام پر دوسرے متکلمین اور بالخصوص علامہ فخر الدین رازی سے رد و قدح میں مضبوط و مستحکم دلائل سے فکری گہرائی کے ساتھ زور بیان کی بھی اعلیٰ مثالیں ہیں۔ یہ دونوں جلدیں خود آپ کے کتب خانے کے علاوہ جناب آغا ابوصاحب کے کتب خانہ میں بھی ہیں جو اب جامعہ سلطانیہ سلطان المدارس سے تعلق رکھتا ہے جہاں سے میں نے زمانہ طالب علمی میں ایک جلد مستعار لے کر تقریباً ایک مہینے کی قلیل مدت میں اپنے تین شاگردوں کی شرکت کے ساتھ جن میں ایک مرحوم ہو

گئے یعنی حکیم سید محمد عسکری عرف پتن صاحب مرحوم (مدیر مجلہ الرضواں) اور دو بھائی اللہ موجود ہیں ایک جناب مفتی جعفر حسین صاحب مجتہد گجراتی (پنجاب پاکستان) اور دوسرے حکیم سید محمد اطہر صاحب ممتاز الافاضل، مدرس مدرسہ ناظمیہ، لکھنؤ اسے اپنے قلم سے نقل کیا ہے جو تقریباً سات سو صفحات کے قریب ہے اور وہ ہم لوگوں کی مشترکہ کوشش کی یادگار کے طور پر بھجوا کر میرے پاس موجود ہے۔

تصانیف

علاوہ تربیت و تعلیم کے ادارہ کے جیسے اپنے والد ماجد طاب ثراہ کے بعد آپ نے اگر مزید ترقی نہیں دی تو بلاشبہ اس میں کمزوری بھی آنے نہ پائی جس کا بیان تلامذہ کے تذکرہ میں ابھی ہوگا، آپ کے قلمی خدمات کا بھی پلہ آپ کے والد علام جناب سید العلماء اور جد امجد جناب غفرانمآب کی بہ نسبت سبک نہیں رہا، بلکہ تفسیر قرآن کے شعبہ میں آپ کے کام کو خاص انفرادیت حاصل ہوگئی۔ چنانچہ آپ کا بڑا ہی اہم کارنامہ یہی تفسیر یَنَابِیْعُ الْأَنْوَارِ ہے جس کا تذکرہ ابھی آچکا اور جس کی طباعت کا کام آپ کے فرزند فردوس مکان جناب سید ابراہیم صاحب قبلہ کے دور میں شروع ہوا تھا جس کے بعض صفحات چھپے ہوئے ہم نے اپنی طالب علمی کے دور میں کتب خانہ جناب جنت مآب طاب ثراہ میں دیکھے تھے جو بڑے سائز کے (تقریباً ۳۰×۲۰ ایک دو کی تقطیع پر) تھے مگر معلوم نہیں کن اسباب کی بنا پر پھر اس کی طباعت کا کام رک گیا اور مکمل نہ ہو سکا۔

دوسری اہم کتاب اصول فقہ میں شرح مقدمات حدائق ہے جس کے متعلق علامہ کثوری اعلیٰ اللہ مقامہ کی سوانح عمری سے پتہ چلتا ہے کہ اس کا باقاعدہ درس ہوتا تھا جس میں ممتاز درجہ کے بڑے افاضل شریک ہوتے تھے۔ افسوس ہے کہ یہ کتاب بھی طبع نہیں ہوئی۔

(۳) هِدَايَةُ الْمُسْتَشْهِدِينَ شَرْحُ تَبَصُّرَةِ الْمُتَعَلِّمِينَ یہ فقہ میں علامہ حلی کی مشہور کتاب تبصرہ کی شرح ہے۔

(۴) إِزْشَادُ الْمُتَبَدِّلِينَ إِلَى أَحْكَامِ الدِّينِ فقہ کی استدلالی کتاب ہے جس کی ایک جلد جو کتاب الطہارۃ پر مشتمل ہے، ۱۲۹۷ھ میں مطبع علوی علی بخش خاں میں طبع ہوئی ہے۔ اس کے ٹائٹل پر جناب ابو صاحب قبلہ اعلیٰ اللہ مقامہ کا لکھا ہوا تعارف ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کو جناب ناظم صاحب مرحوم نے (جن کا امام باڑہ مشہور ہے) طبع کرایا تھا۔

دیباچہ سے جو مصنف نے تحریر فرمایا ہے یہ پتا چلتا ہے کہ انہوں نے یہ کتاب اپنے فرزند جناب سید ابراہیم صاحب کے لئے استنباط احکام کا طریقہ بتانے کے لئے تحریر فرمائی تھی اور پھر ہر ایک مسئلہ میں احتیاط کی صورت پر روشنی ڈالی ہے۔ آخر کتاب میں ختم تصنیف کی تاریخ اوسط ۱۲۷۳ھ تحریر ہے جس سے پتا چلتا ہے کہ یہ کتاب اپنے والد بزرگوار جناب سید العلماء کی وفات کے چند ماہ کے بعد اسی سال تحریر فرمائی ہے۔

(۵) مُزْشِدُ الْمُؤْمِنِينَ إِلَى أَحْكَامِ الدِّينِ: یہ فارسی زبان میں مختصر رسالہ علمیہ ہے جو مقلدین کے لئے لکھا گیا ہے۔ (۶) غنیۃ المسائل: اس میں اصول دین اور مسائل فقہیہ کے متعلق مسائل کے تفصیلی جوابات ہیں۔ بعض فارسی زبان میں بعض عربی میں۔ یہ کتاب ۱۲۸۳ھ میں مطبع احمدی لکھنؤ میں طبع ہوئی ہے جو ۱۶۷ صفحات پر مشتمل ہے۔

(۷) نَحْبَةُ الْمُعْجَزَاتِ فَارِسِي: یہ کتاب فارسی زبان میں ہے جو قدیم چھاپہ کی مطبوعہ ہے۔ سال طباعت درج نہیں ہے۔

(۸) غَبَابُ فِي عِلْمِ الْأَعْرَابِ: یہ فن نحو میں ایک نہایت ہی گرانقدر متن ہے جس کا تذکرہ پہلے آچکا ہے۔

جناب عم معظم مولانا سید محمد تقی صاحب قبلہ اعلیٰ اللہ مقامہ اپنے چھوٹے فرزند، برادر محترم مولانا سید آغا مہدی صاحب قبلہ سابق مدیر الواعظ کو جواب کراچی میں تشریف رکھتے ہیں یہ کتاب پڑھاتے تھے تو میں نے کمسنی میں اس کے اس قلمی نسخہ کو دیکھا تھا جو کتب خانہ جناب جنت مآب طاب ثراہ میں ہے۔ یہ

کتاب طبع نہیں ہوئی ہے۔

سید محمد تقی فرزند جناب سید حسین دام ظلہ کے ساتھ جو عجیب تحقیق اور تدقیق کے مالک ہیں، جنگی امامت فاسق کے مسئلہ میں بلند پایہ تصنیف ہے۔

(۱۴) دعوات فاخرہ: یہ عربی میں مستند دعاؤں کی کتاب ہے جس کا قلمی نسخہ میرے یہاں بھی ہے

(۱۵) الارشاد: آداب و فضیلت دعا

(۱۶) جواب مسئلہ طعام اہل کتاب (فارسی)

(۱۷) جواب مسئلہ قطع ید: عربی، انگریزوں کے

اثر سے اسپتالوں میں جو سرجری کے نئے نمونے سامنے آئے تھے انہیں ایک یہ تھا کہ کسی شخص کا لڑائی میں ہاتھ کٹ گیا۔ مردہ کا ہاتھ کٹ کر اس زندہ کے لگا دیا گیا اور وہ اب اس کا جزو جسم ہو گیا کہ اسمیں خون کی روانی پیدا ہو گئی۔ اب بحث چلی کہ یہ تو مبیہ کا جز ہے جو نجس العین ہوتا ہے۔ اس کے ساتھ نماز کیونکر درست ہوگی؟ پھر یہ کہ وضو میں اس ہاتھ کے لئے کیا کیا جائے؟

جناب جنت مآب نے اس کا مفصل جواب عربی میں تحریر فرمایا۔ پھر بعض حضرات نے اس سوال کو عراق بھیجا تو جناب شیخ زین العابدین مازندرانی نے بھی اس کا تفصیلی جواب لکھا۔ میں نے یہ دونوں جواب دیکھے ہیں۔

جیسا کہ پہلے آچکا ہے اس دور میں ہندوستان کے اس مرکز علمی لکھنؤ کو عراق سے کم نہ سمجھا جاتا تھا، اس لئے خود یہاں کے علماء کو بھی ان کے مقابلہ میں احساس کمتری نہ تھا۔ چنانچہ مشہور ہے کہ جناب جنت مآب کے سامنے جناب شیخ کے جواب کا تذکرہ ہوا تو آپ کی زبان پر یہ جملہ آیا کہ ”ہُمْ رَجَالٌ وَنَحْنُ رَجَالٌ“ ”وہ مرد میدان ہیں اپنی جگہ ہم مرد میدان ہیں اپنی جگہ“ یعنی ان کی تحقیق جو ہو وہ ان کے ساتھ ہے اور ہماری تحقیق جو ہے ہمارے ساتھ ہے۔

تاریخ العلماء میں ہے کہ ۱۲۸۹ھ میں جناب علامہ کثوری نے ”اخبار الاخیار“ جاری فرمایا تھا اس میں ایک حصہ کا نام ”جامع المسائل“ تھا جس میں جناب جنت مآب کے فتاویٰ طبع ہوتے

(۹) نخبة الدعوات: یہ دعاؤں میں مختصر رسالہ ہے جس کا اردو ترجمہ جناب تاج العلماء طاب ثراہ نے خلاصۃ الدعوات کے نام سے تحریر فرمایا ہے۔ اصل کتاب شاہی میں طبع ہوئی تھی اور یہ ترجمہ میر عابد علی صاحب مرحوم کے مطبع اشاعتی میں طبع ہوا۔ یہ دونوں کتابیں میرے یہاں موجود ہیں۔

(۱۰) حذیقة الواعظین۔

(۱۱) نزهة الواعظین۔

(۱۲) لمعة الواعظین۔

یہ تینوں کتابیں میری نظر سے نہیں گذریں ہیں۔ ناموں سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ تینوں مواعظ کے مجموعے ہیں۔

(۱۳) رسالۃ فی جواز امامۃ الفاسق فی نفسہ: یہ عربی رسالہ اس بحث میں ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے نزدیک صفت عدالت سے متصف نہ ہو مگر مومنین عادل سمجھتے ہوں اور اس کے پیچھے نماز پڑھنے کو تیار ہوں تو اس کا نماز پڑھنا درست ہے۔ یہ رسالہ آپ نے اپنے والد بزرگوار حضرت سید العلماء کی زندگی میں لکھا تھا اور بہت ممکن ہے کہ یہی رسالہ صاحب جواہر کو بھیجا گیا ہے جس پر انہوں نے اجازہ اجتہاد روانہ فرمایا اور اس رسالہ کی نجف اشرف کے علماء و افاضل میں شہرت ہو گئی تھی۔ چنانچہ ظل ممدود میں نجف اشرف کے ایک عالم وادیب جناب شیخ ابراہیم قفطان کا خط ہے جو انہوں نے جناب مفتی صاحب کے نام تحریر کیا ہے۔ اس میں لکھا ہے:

وَأَنْ تَسْعَى لِاسْتِحْكَامِ عَقْدِ الْإِخَائِ جَنَابِ نَاطُورَةَ
الْعُلَمَائِ وَنَادِرَةَ الْفَضْلَائِ صَاحِبِ التَّحْقِيقِ الْغَرِيبِ
الَّذِي هُوَ بِهِ حَقِيقٌ وَذُو التَّدْقِيقِ الْأَنِينِ صَاحِبِ التَّصْنِيفِ
الْفَائِقِ فِي إِمَامَةِ الْفَاسِقِ جَنَابِ مُمْتَازِ الْعُلَمَائِ الزَّكِيِّ
السَّيِّدِ مُحَمَّدِ تَقِيِّ بَحْلِيِّ الْإِمَامِ السَّيِّدِ حُسَيْنِ دَامَ فَضْلُهُ۔

”میری استدعاء ہے کہ آپ میرے لئے کوشش فرمائیں روابط دوستی کے قائم ہونے میں میں جناب ممتاز العلماء مولانا

تھے اور مسائل کا آپ کے یہاں باقاعدہ دفتر تھا اور مسائل کی در آمد برآمد باقاعدہ درج ہوتی تھی۔

تلامذہ

جیسا کہ ہم نے جناب رضوان مآب کے حالات میں لکھا ہے کہ جناب غفرانمآب کے بعد تربیت و تعلیم طلاب اور یوں سمجھنا چاہئے کہ مستقبل کے افراد کی تعمیر کا کام جو ان کے چھوٹے فرزند جناب سید العلماء اعلیٰ اللہ مقامہ کے ذمہ رکھا گیا تھا۔ اب جناب سید العلماء کے بعد اس ادارہ کو عملی طور پر ان کے جانشین جناب ممتاز العلماء سید تقی صاحب قبلہ نے سنبھالا اور جناب سید العلماء کے بعد یقینی طور پر یہ کہنا درست ہے کہ جتنے اکابر علماء اور ممتاز صاحبان کمال جناب جنت مآب کے حلقہ درس سے نکلے ان کی نظیر نایاب ہے۔ یہاں تک کہ بعض صاحبان کمال کے نام جو اس عصر کے کسی اور بزرگ کے تلامذہ میں نظر آتے ہوں، وہ صرف معقولات یا ادب وغیرہ کسی شعبہ میں استفادہ کی وجہ سے ان کے تلامذہ میں درج ہیں، ورنہ فقہ و اصول کی تعلیم اور اجتہادی کمالات کی تحصیل بلاشبہ انہوں نے جناب ممتاز العلماء ہی کے حوزہ علمیہ میں کی ہے چنانچہ صاحب تاریخ العلماء نے بھی لکھا ہے کہ: ”آپ کے اکثر تلامذہ مجتہد ہوئے اور بہت سے افاضل اطراف ہند میں پھیلے ہوئے تھے۔“

ان میں سے چند بزرگوں کا مختصر تذکرہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے:

(۱) آپ کے فرزند جناب سید العلماء الثانی حجۃ الاسلام سید العلماء مولانا سید محمد ابراہیم صاحب قبلہ فردوس مکاں جو آپ کے بعد آپ کے جانشین قرار پائے اور مرجع خلائق ہوئے۔

(۲) عماد العلماء مولانا سید مصطفیٰ عرف میر آغا صاحب قبلہ جن کی فقاہت اور استحضار مسائل کی خصوصیت اپنے دور میں مسلم تھی اور جناب فردوس مکان کے بعد مرجع عام ہوئے۔

(۳) فقیہ دوران جناب مولانا سید ابوالحسن عرف ابوصاحب قبلہ جن کی تحریک سے سلطان المدارس اور ناظمیہ

دونوں مدرسوں کا وجود ہوا۔

(۴) مولانا حیدر علی صاحب قبلہ جو اپنے وقت میں فن تدریس کے ایک بڑے مرکز کی حیثیت کے حامل رہے اور بہت سے بزرگ مرتبہ افراد کے استاد تھے۔

(۵) مولانا سید عمار علی صاحب سونی پتی جن کی تفسیر ”عمدة الیاب“ اردو میں مشہور و معروف ہے۔

(۶) علامہ کٹوری مولانا حکیم سید غلام حسنین مرحوم مترجم قانون شیخ و مصنف مآئین وانتصار الاسلام وغیرہ آپ علاوہ علوم دینیہ کے طب اور سائنس اور مسمریزم وغیرہ میں بھی کمال رکھتے تھے۔

آپ نے اپنی سوانح عمری میں جناب جنت مآب سے اپنے تلمذ اور خصوصیت خاص کا شرح و بسط کے ساتھ تذکرہ فرمایا ہے۔

(۷) جسٹس کرامت حسین صاحب جن کی کتاب ”فقہ الملسان“ عربی ادب میں ایک کارنامہ کی حیثیت رکھتی ہے اسکے علاوہ علم کلام میں بھی انکے بعض تصانیف موجود ہیں

(۸) مولانا سید ابوالقاسم قسیمی لاہوری مصنف تفسیر لامع الشریل جنہوں نے پنجاب میں شیعیت کو فروغ دیا۔

(۹) مولانا سید مکرم حسین صاحب جلالی ضلع علی گڑھ کے جلیل المرتبہ عالم تھے۔ آپ کا کتب خانہ و قیام حثیت رکھتا تھا۔

(۱۰) خواجہ عابد حسین صاحب سہارنپوری مصنف یا علی مدد و انداز النظرین وغیرہ جن کی کتابوں کے سلسلہ میں ایک طویل مباحثہ ان میں اور مولوی محمد مرتضیٰ صاحب جو پوری مرحوم میں عرصہ تک جاری رہا تھا۔

(۱۱) مولانا سید باقر حسین صاحب۔ انکے والد بزرگوار جناب سید محمد حسین صاحب جناب سید العلماء کے تلامذہ میں تھے اور یہ جناب ممتاز العلماء طاب ثراہ کے شاگرد تھے اور جناب جنت مآب ہی کے قرب میں سکونت اور عزیزانہ روابط رکھتے تھے۔ اب بھی ان کی اولاد ہمارے محلہ میں حسینہ جنت مآب کے

پہلو والے مکانات میں موجود ہے۔ اور ان حضرات کے ویسے ہی خصوصیات ہمارے ساتھ ہیں۔

(۱۲) مولانا علی میاں صاحب کامل جو کافی ذی علم بزرگ تھے مگر شہرت ان کی کامل الفن شاعر اور لسان القوم مولانا صفی مرحوم کے استاد کی حیثیت سے زیادہ ہوئی۔

(۱۳) مولوی سید غلام محمد صاحب ساکن ریواڑی امام جمعہ و جماعت جے پور۔

(۱۴) خواجہ ابراہیم حسین صاحب پانی پتی۔

(۱۵) جناب مرزا محمد جعفر صاحب اونچ فرزند و جانشین

مرزا دبیر علی اللہ مقامہ

(۱۶) مولوی ہزبر علی صاحب مرحوم جن کا تذکرہ تلامذہ جناب جنت مآب کے سلسلہ میں علامہ کفوری کی سوانح عمری میں بھی موجود ہے۔

(۱۷) مولوی سید حسن صاحب

(۱۸) نواب علی جاہ

(۱۹) نواب والا جاہ

یہ دونوں لکھنؤ کے بزرگ مرتبہ روساء میں سے تھے اور دونوں علوم دینیہ میں فارغ التحصیل تھے بلکہ ان میں سے ایک بزرگ کو عراق سے اجازات بھی حاصل ہوئے تھے۔

(۲۰) جناب آغا مہدی حسین صاحب عرف آغا ابو صاحب رئیس لکھنؤ و متولی وقف حسین آباد سابق الذکر کے فرزند تھے۔ یہ بھی جناب جنت مآب کے شاگرد اور صاحب علم تھے۔ ان کا عربی و فارسی کتب کا قیمتی ذخیرہ جامعہ سلطان المدارس کی لائبریری کی حیثیت سے محفوظ ہے۔

(۲۱) مولوی منیب خاں راپوری یہ فاضل اہل سنت میں سے تھے جن کا صاحب تاریخ العلماء نے تلامذہ جناب جنت مآب میں ذکر کیا ہے۔

(۲۲) جناب ڈپٹی سید علی اکبر صاحب جو جناب سلطان العلماء کے اخلاف میں سے اور صاحب تصانیف تھے۔ ان کا بھی ذکر

تاریخ العلماء میں آیا ہے۔

وصیت نامہ

۷ اپریل ۱۸۶۹ء میں جب آپ کی وفات کا زمانہ قریب تھا آپ نے ایک وصیت نامہ تحریر فرمایا جو رجسٹری شدہ ہے۔ اس میں اپنے فرزند جناب سید ابراہیم صاحب کو اپنا وصی اور جانشین مقرر فرمایا اور تمام اوقاف جن کی تولیت آپ سے متعلق تھی ان اوقاف کا متولی بھی ان کو قرار دیا۔

اس وصیت نامہ کے بعض اجزاء کا آخر میں بسلسلہ آثار تعمیری تذکرہ کیا جاوگا۔

وفات

مَوْتُ التَّقِيِّ حَيَوْهُ لَا نَفَادَ لَهَا

قَدْ مَاتَ قَوْمٌ وَهُمْ فِي النَّاسِ أَخْيَاءُ

ماہ رمضان ۱۲۸۹ھ میں ہیضہ کی وبا کا زور ہوا۔ اس میں مبتلا ہو کر صرف ایک دن کی علالت میں آپ کی وفات ہوئی۔

تاریخ العلماء ص ۱۰۰ میں ہے کہ جناب سید الحدیث نے مجالس علویہ میں تحریر فرمایا ہے کہ

”جناب ملکی ملکات، قدسی صفات جناب ممتاز العلماء عطر اللہ مضجعہ ۲۲ ماہ رمضان تک نماز جماعت و وعظ میں مصروف رہے بلکہ ۲۳ تاریخ میں دس بجے دن تک مقابلہ میں تفسیر کے جو تصنیف فرماتے تھے مصروف رہے اور اسی شب کو تین بجے انتقال کیا۔“

جنازہ میں تمام اکابر جیسے جناب مولانا سید احمد علی صاحب محمد آبادی جو جناب غفران مآب کے شاگرد تھے اور جناب مفتی صاحب قبلہ، مولانا سید حامد حسین صاحب قبلہ، مولانا شیخ تفضل صاحب فتح پوری، مولانا تفضل حسین صاحب سنبھلی وغیرہ تلامذہ جناب سید العلماء اور بزرگان خاندان میں جناب ملک العلماء سید بندہ حسین صاحب قبلہ اور تاج العلماء سید علی محمد صاحب قبلہ تھے سبھی موجود تھے لیکن بحیثیت طبقہ ان میں کی سب سے بزرگ فرد جناب مولانا سید احمد علی صاحب قبلہ نے جناب مرحوم کے

فرزند جناب سید العلماء مولانا سید ابراہیم صاحب قبلہ طاب ثراہ کا ہاتھ پکڑ کر آپ کو آگے بڑھایا اور تمام اکابر علماء و اعیان، شہزادگان، رؤساء اور ہزاروں مومنین کرام نے جو مشالعت جنازہ میں شریک تھے آپ کے ساتھ نماز جنازہ ادا کی اور آپ خود اپنے اماں باڑہ میں جس کا تذکرہ ابھی آثار تعمیری کے ذیل میں آئے گا دفن ہوئے۔

تصانیف اور تلامذہ کے علاوہ یہ آثار بھی وہ ہیں جن کی بدولت شاعر کا مذکورہ بالا شعر بالکل صحیح ہے۔

مَوْتُ التَّقِي حَيَوَةٌ لَا نَفَادَ لَهَا

جناب مفتی صاحب علی اللہ مقامہ نے یہ تاریخ نظم فرمائی

مَوْلَى بَوَفَاتِهِ التَّقِي كَامِلِيَّة

وَالْعِلْمُ سَاجِدٌ بِغَيْرِ الزَّيْتِ

يَا آلَ مُحَمَّدٍ تَقِي صَبْرًا

قَدْ أَيَّتَمَكُمُ فَقِيهُ أَهْلِ الْبَيْتِ

۹ ۸ ۲ ۱ ۵

اولاد و اخلاف

جناب جنت مآب کے زوجہ اولیٰ سے جو وطن کے قدیم سلسلہ خاندانی سے تعلق رکھتی تھیں تین صاحبزادے تھے اور دو صاحبزادیاں۔

(۱) جناب سید العلماء حجۃ الاسلام الحاج سید محمد ابراہیم طاب ثراہ جو مکمل اولاد اور اپنے سلف صالحین کے جانشین تھے۔

(۲) جناب سید حسن صاحب جن کے لئے صاحب تاریخ العلماء نے لکھا ہے کہ

”اجازہ پیشمازی تھا، میں بھی خوب واقف تھا جو نہایت مقدس تھے۔“

(۳) جناب سید علی صاحب

(۴) ایک صاحبزادی جو جناب سید محبوب حسین صاحب مرحوم کو منسوب تھیں

(۵) دوسری صاحبزادی جو جناب عماد العلماء میر آغا صاحب

طاب ثراہ کو منسوب ہوئیں۔

ان کے علاوہ مختلف ازواج سے متعدد بزرگ تھے جن میں سے بعض ہمارے زمانے میں بھی موجود تھے جیسے جناب سید ابوذر صاحب، جناب حاجی سید یونس صاحب، سید جابر صاحب، ایک صاحبزادی وہ تھیں جو جناب ابو صاحب قبلہ علی اللہ مقامہ کو منسوب ہوئیں جن کے فرزند مولانا سید جعفر صاحب اور باقر العلوم استاد علام مولانا سید باقر صاحب اور ہادی الملتہ سید ہادی صاحب مرحوم تھے۔

تعمیری آثار

جناب جنت مآب طاب ثراہ کے پاس متعدد اوقاف ایسے تھے جو دوسرے حضرات کے وقف کردہ تھے اور آپ ان کے متولی تھے جیسے تحسین علی خاں جن کی شاندار مسجد وسط شہر میں ہے اور سو مسجد آصفیٰ اور جمعہ مسجد کے شہر کی مسجدوں میں سب سے بڑی ہے اور اس سے ملحقہ دوکانیں اور مکانات اور تحسین علی خاں خورد جن کی جائداد باورچی ٹولہ میں تھی اور میر باقر سوداگر علی اللہ مقامہ جن کا امام باڑہ جوہری محلہ میں مشہور و معروف ہے ان سب کے علاوہ ذاتی طور پر جناب جنت مآب نے خود اپنی جائداد میں سے کافی آثار کی تشکیل فرمائی جن میں سے اکثر کسی نہ کسی صورت میں اب تک قائم و برقرار ہیں۔

(۱) کتب خانہ

یہ آپ کی سب سے بیش قیمت یادگار ہے جس میں قلمی نوادراتی تعداد میں ہیں جن کی مثال کسی دوسرے کتب خانہ میں مشکل سے مل سکتی ہے مولوی سید محمد حسین صاحب نوگانووی رقمطراز ہیں:

”آپ کا کتب خانہ بھی بے مثل ہے جو وقف علی الاولاد ہے۔“ (تاریخ العلماء، ص/۶۹)

وصیت نامہ جناب جنت مآب میں جس کا ذکر ہو چکا ہے، کتب خانہ کے لئے یہ صراحت ہے کہ اس کی تولیت ہر دور میں علم اولاد سے مختص ہوگی۔

(۲) مکانات

محلہ نخاس میں جو کٹور یہ اسٹریٹ (سڑک) کے نکلنے کے بعد دو حصوں میں تقسیم ہو گیا متعدد مکانات کا ایک سلسلہ تھا جنہیں بنظر اعانت اکثر تلامذہ و متوسلین کو رہنے کے لئے دیا گیا تھا جن کی تفصیل وصیت نامہ مذکورہ میں موجود ہے۔

ان مکانات کے متعلق بھی وصیت نامہ میں صراحت ہے کہ جب میری اولاد کو ضرورت ہو تو یہ حضرات جو ان مکانات میں مقیم ہیں ان مکانات کو اولاد کی خاطر خالی کر دیں۔ اہل علم کو محسوس ہونا چاہئے کہ اس قسم کی شرط وقف عام میں نہیں ہو سکتی، اس شرط کا تحریر کرنا ان مکانات کے بھی وقف خاص ہونے کا قطعی ثبوت ہے۔

(۳) امام باڑہ

جس وقت تک جناب جنت مآب کا وصیت نامہ لکھا گیا ہے امام باڑہ کی تعمیر نہیں ہوئی تھی اس لئے اس وصیت نامہ میں امام باڑہ کا کوئی ذکر نہیں ہے یہ امام باڑہ اس کے بعد تعمیر ہوا جس میں سب سے پہلے آپ ہی دفن ہوئے اس وقت تک وہ وقف بھی نہیں ہوا تھا۔

بعد میں ورثہ جناب جنت مآب طاب ثراہ نے جواز روئے وصیت نامہ اس تمام جائداد کے خصوصی مالکین تھے۔ جب املاک کو آپس میں تقسیم کیا تو امام باڑہ کے متعلق سب نے متفقہ طور پر یہ مناسب سمجھا کہ یہ کسی کی ملک خاص نہ ہو بلکہ تمام اولاد جناب جنت مآب کے لئے وقف کر دیا جائے چنانچہ اس ذیل میں ایک نقشہ تقسیم باہمی مرتب ہوا جس پر تمام ورثہ کے دستخط اور مہر ہیں اس نقشہ میں امام باڑہ دکھایا گیا ہے اور اس کے باہر کے دالان کے چوہدی کے اندر جناب سید العلماء سید ابراہیم صاحب قبلہ کے قلم سے لکھی ہوئی یہ لفظیں ہیں

”امام باڑہ وقف خاص بر اولاد و ازواج و اصہبار و ازواج اولاد“
یہ امام باڑہ بجز اللہ اب تک قائم و برقرار ہے لیکن اس کی عمارت امتداد ایام سے طلبگار تجدید ہے۔



(بقیہ۔۔۔۔۔ حج کے موقع پر رسول اللہ کا خطبہ)

مال اور جان کی کوئی قیمت نہ تھی۔ لوٹ اور قتل کا بازار گرم رہتا تھا جو شخص جس کسی کا مال چاہتا تھا چھین لیتا تھا اور جس کو چاہتا تھا مار ڈالتا تھا کوئی انصاف تھا اور نہ کوئی قانونی نظام تھا جس سے کمزوروں کی جانوں اور ان کے مال کی حفاظت کی جاسکتی۔ امن و سلامتی کے اس عظیم پیغمبر نے اپنی اس اصلاح و ہدایت سے بھری ہوئی تقریر میں فرمایا تمہارے خون اور تمہارے مال اسی طرح محترم ہیں جس طرح یہ دن دسویں ذی الحجہ (بعض روایات میں ۹ ذی الحجہ اور بعض میں ایام تشریق کا ذکر ہے) اس مہینہ میں اور اس شہر میں حرام ہے یعنی محترم ہے۔ مطلب یہ تھا کہ اب تمہارے خون بغیر شرعی اور قانونی جواز کے نہیں بہائے جاسکتے اور نہ کوئی کسی کا مال ناحق طریقہ پر لے سکتا ہے ورنہ وہ بڑا ہوا یا چھوٹا ہو حاکم ہو یا محکوم ہو۔ سردار قبیلہ ہو یا معمولی آدمی ہو قانون کی گرفت سے بچ نہ سکے گا اور اُس سزا کا مستحق ہوگا جو اس کے لئے مقرر کر دی گئی ہے۔

اس کے بعد سردار انبیاء نے دوسرے احکام شریعت کی تعلیم دی۔ پھر ہزار ہا انسانوں کے مجمع سے فرمایا۔ تم سے خدا کے یہاں میری نسبت دریافت کیا جائے گا تو تم کیا جواب دو گے؟ صحابہ کرام نے عرض کی ہم اس کا یہ جواب دیں گے کہ آپ نے اللہ کا حکم اور پیغام ہم تک پہنچا دیا اور اپنے فرض کو ادا کر دیا۔

یہ سن کر حضور انور نے آسمان کی طرف انگلی اٹھائی اور تین دفعہ فرمایا ”اللہم اشہد“، ”اے خدا تو گواہ رہنا۔“
جس وقت سرکارِ دو عالم یہ یادگار خطبہ ارشاد فرما رہے تھے اور خدائی احکام پہنچا رہے تھے اس وقت بجائے لاکھوں روپے کے تخت شاہی یا قیمتی شاہانہ مسند کے حضور ایک معمولی سے فرش پر بیٹھے ہوئے تھے جو آپ کی اونٹنی پر پڑا ہوا تھا۔